اب دل کو بھی سمجھانا ہے

بنیلہ ابر راجہ

جو بھی چکھے اسے

وہ کہے آفریں آفریں

عاکفہ کی یہ مدح سرائی سراسر اپنی بنائی جانے والی چٹنی کے بارے میں تھی، جس میں وہ اب وہی ملا رہی تھی۔ پلاسٹک کی تھیلی سے چپکے بچے کچے وہی کو اس نے زبان سے چاٹ کر صاف کر دیا۔ راحل یہ منظر دیکھ کر بھنا کر رہ گئی۔ اس کی نفاست پسند طبیعت کو یہ سب کہاں گوارا تھا۔

عاکفہ نے چٹنی شیشے کے پیالے میں ڈالی۔ باہر دھوپ میں جلتے بھنتے چھوٹی چچی روٹیاں تنور میں لگانے کے ساتھ ساتھ اپنی قسمت کو بھی فرانے سے کوس رہی تھیں۔ ان کے ساتھ رضوانہ بیٹھی ہوئی تھی جو تنور سے اترتی روٹیوں کو جلدی جلدی مکھن لگا رہی تھی۔

راشو دسترخوان بچھا چکی تھی۔

ماش کی دال، پودینے انار دانے کی چٹنی، لسی کے ساتھ پیاز ٹماٹر اور کھیرے کا سلاد تھا۔

سوائے راحل کے سب رغبت سے کھا پی رہے تھے۔

"شہر والوں کو بھلا یہ نعمتیں کہاں میسر ہیں۔ یہ خالص مکھن لگی گندم کی روٹی، اصلی ملاوٹ سے پاک لسی واہ واہ کھانے کا لطف آگیا۔"

رضوانہ نے مردوں کے اٹھ کر جانے کے بعد یہ

مکمل ناول

قطرے کے۔ راحل ان سنی کر گئی۔

یہاں سب دوپہر کو کھانے کے بعد قیلولہ کرنے کے عادی تھے مگر راحل کو ہزار جتن کرنے کے باوجود نیند نہیں آتی تھی اگر آ بھی جاتی تو رات جاگتے ہوئے گزرتی۔ سوچوں سے اکیلی جنگ کرتے کرتے وہ بے حال ہو جاتی اور باقی سب مزے سے سوئے رہتے۔ گرمی کا موسم تھا۔ سر شام ہی چارپائیاں وسیع برآمدے میں بچھ جاتیں۔ راشو جھاڑو لگا کر پانی کا چھڑکاؤ کر دیتی اور گھڑونچی پہ تازہ پانی سے بھرے گھڑے لا کر رکھ دیتی۔

راحل بے توجہی سے دیکھتی رہتی۔ یہاں آئے اسے ڈیڑھ ماہ سے اوپر ہو چلا تھا مگر ابھی تک وہ خود کو اجنبی محسوس کرتی تھی یہاں رہتے ہوئے بھی وہ اس منظر کا حصہ نہیں تھی۔

شروع شروع میں سب نے ہی اپنی سادگی اور وافر خلوص کے باعث اس سے دوستی کرنے کی سر توڑ کوشش کی۔ مگر اس کے اجنبی رویے اور سرد مزاجی نے انہیں قدم وہیں روک لینے پہ مجبور کر دیا مگر عاکفہ اب بھی اپنی فطرت سے مجبور تھی۔ راحل کے چپ رہنے کے باوجود باتیں کیے جاتی۔

اس گھر کے سب افراد کا مشترکہ خیال تھا کہ عاکفہ جیسی احمق لڑکی آئندہ کبھی پیدا نہیں ہو گی ــــ وہ اپنی ذات میں گم منفرد سی لڑکی تھی۔ کم از کم راحل کو ایسا ہی لگا تھا۔ بے پناہ باتونی اور کام میں پھرتیلی۔ وہ سب کا حکم بے چون و چرا مان لیتی۔ جب بھی دیکھو کسی نہ کسی کام میں مصروف نظر آتی راحل کو حیرت ہوتی۔ وہ اکثر سوچتی کیا یہ لڑکی تھکتی نہیں ہے؟

"نورین بیٹی! جرار کے لیے مرغی کا سالن نکال کر علیحدہ سے رکھ دینا۔ وہ دوپہر کے کھانے پر بھی نہیں آیا تھا۔"

دادی اماں نے چارپائی پہ بیٹھے بیٹھے نورین کو تیسری بار یاد دہانی کروائی جو سالن بھون رہی تھی۔ مسالا بھوننے کی اشتہا انگیز مہک نے عاکفہ کو مجبور کر دیا کہ وہ کسی نہ کسی طرح ایک بوٹی اڑا ہی لے۔ مگر تنور کے پاس تائی کی بہو بھی تھی جو اس کے ندیدے پن کا بالکل بھی لحاظ نہیں کرتی تھی۔

وہ تاسف سے چولہے پہ پکتی دیسی مرغی کو دیکھ کر رہ گئی۔

راشو نے ذاتی دلچسپی کے پیش نظر مرغیوں کی ایک پوری فوج پال رکھی تھی گھر میں کوئی مہمان آتا تو اسے اپنی پیاری مرغیوں میں سے کسی ایک کی دائمی جدائی کا صدمہ برداشت کرنا ہی پڑتا۔ البتہ انڈے وہ دو چھتی پہ پڑے پرانے کنستر میں رکھ دیتی جس کی چابی ہمہ وقت اس کے پاس رہتی مگر عاکفہ پھر عاکفہ تھی کسی نہ کسی طرح انڈے اڑا ہی لیتی۔ خصوصاً سردیوں میں تو انڈے کے نام سے ہی اس کی آنکھوں میں مخصوص ندیدہ پن نظر آنے لگتا۔

راشو کے ادھر ادھر ہوتے ہی وہ جھٹ پٹ دو انڈے فرائی کر پراٹھے پہ رکھ کر کھا جاتی۔

بعد میں اکثر راشو نادیدہ چور کو بددعائیں اور کوسنے دیتی نظر آتی اور کنستر کی جگہ بدل دیتی مگر معاملہ جوں کا توں رہتا اس میں رکھے انڈوں کی تعداد اس کی گنتی سے کم ہی ہوتی۔

آج تو اکٹھے راشو کی دو صحت مند مرغیاں اور ایک مرغا ذبح ہوا تھا سو اس کا افسردہ ہونا لازمی تھی۔ دادی اماں نے اسے کپڑوں کا لالچ دے کر بہلا لیا تھا۔

"نورین! تھوڑے سے آلو بھی سالن میں ڈال دو۔" راحل کی قمیص پر کڑھائی کرتے ہوئے انہوں نے نورین کو نیا حکم دیا تو وہ سر ہلا کر رہ گئی اور نعمت خانے میں رکھی ٹوکری سے آلو نکالنے چلی گئی۔

چھوٹی چچی بھی دادی کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

"کتنی خوبصورت بیل ہے اور رنگ کتنے بھلے لگ رہے ہیں اس قمیص پہ۔" انہوں نے تعریفی نگاہ سے قمیص کے ڈیزائن کو دیکھا تو چشمے کو ناک پہ درست کرتے ہوئے دادی اماں تیز تیز ٹانکے لینے لگیں۔

منو مٹی اور گرد میں لتھڑا ہوا باہر سے آیا اور سیدھا ماں کی گود میں گھس گیا۔ عائشہ نے تین چار دھموکے اس کی پیٹھ پہ لگاتار جڑے تو دادی اماں کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے منو کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

"کیسی ماں ہو تم؟ کس بیدردی سے مار رہی ہو جیسے لوہے کا بنا ہوا ہے۔"

"آپ ہی سنبھالیں اپنے لاڈلوں کو۔ میری جان مفت میں کھاتے ہیں۔ ایک سانس بھی سکون کا نہیں ہے میرے لیے۔ ساری دنیا خوش ہے بس یہ دکھ صرف میرے لیے ہے۔" عائشہ زور زور سے رونے لگیں۔

منو ماں کو روتے دیکھ کر پریشان ہو گیا اور دادی کی گود سے سر اٹھا کر تکنے لگا۔

عائشہ روتی ہوئی اندر چلی گئیں۔

زبیدہ پیار سے پوتے کے بال سہلانے لگیں ان کی اپنی آنکھیں بھی بھیگ رہی تھیں۔ کچھ دیر میں منو بالکل بھول بھال گیا اور دوبارہ باہر بھاگ گیا۔

راحل لاتعلقی سے دیکھتی رہی۔ اس نے بالکل بھی دخل دینے کی ضرورت نہ سمجھی۔

مغرب کا وقت تھا۔ نورین سالن کا پتیلا اتار کر گرم مسالا پیس رہی تھی رضوانہ آٹے سے نبرد آزما تھی۔ دونوں نے مل کر روٹیاں پکائیں۔ مغرب کی نماز کے بعد جرار گھر میں داخل ہوا۔ تھکن اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔

آم کی پہلی فصل آج ہی اتری تھی۔ اسی سلسلے میں وہ سارا دن مصروف رہا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے فضل دین آموں سے بھرے تھیلے اٹھائے ہوئے تھا' جو عاکفہ نے فوراً اس سے لے لیے۔

جرار' زبیدہ بیگم کی چارپائی پہ بیٹھ گیا۔

رضوانہ نے پہلے اسے چائے بنا کر دی۔ اس نے چائے پی کر خالی پیالی رضوانہ کو پکڑائی اور غسل خانے کی طرف مڑ گیا۔ جہاں عاکفہ اس کے دھلے کپڑے استری کر کے پہلے ہی کمربند ڈال کر لٹکا گئی تھی۔ راحل پانی کی موٹر کے ساتھ بنے چبوترے پہ بیٹھی ہوئی رضوانہ اور نورین بھابھی کی مصروفیات ملاحظہ کر رہی تھی۔

زبیدہ بیگم مغرب کی نماز اور دعاؤں سے فارغ ہونے کے بعد دوبارہ اپنی چارپائی پہ آ کر بیٹھ گئیں۔ اکیلے سوچوں میں گم غیر مرئی چیز پہ نگاہ جمائے راحل کو دیکھ کر ان کے دل کو کچھ ہوا اور انہوں نے آواز دے کر اسے اپنے پاس بلا لیا۔

وہ روبوٹ کی مانند ان کے حکم کی تعمیل میں ان کے پاس آ گئی۔

"ہنسا بولا کرو۔ تمہیں اس طرح دیکھ کر میں بھی اداس ہو جاتی ہوں۔" وہ اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔

جرار نہا کر تولیے سے بال خشک کرتا ادھر ہی آ گیا۔ لمبے چوڑے کڑیل سے جرار کو دیکھتے ہی زبیدہ کی بوڑھی نگاہوں میں محبت ابھر آئی۔

"تم بھی میرے پاس آ جاؤ۔" جرار کے لیے ان کی شفقت امڈی پڑ رہی تھی۔ وہ آج کے دن کی روداد سنانے لگا۔

راحل نامحسوس انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

جرار لبوں کو کچلتے ہوئے اسے اندرونی کمرے میں غائب ہوتا دیکھ رہا تھا۔ ڈیڑھ ماہ سے ایسا ہی ہو رہا تھا جیسے راحل اسے باور کرانا چاہ رہی ہو کہ وہ کچھ بھی نہیں ہے' نہیں بھی نہیں ہے۔

سر جھٹک کر وہ دادی اماں کی بات کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

دل توڑ کہ مت جائیو
برسات کا موسم ہے

جھاڑ پونچھ کرتے ہوئے عاکفہ موسیقی سے دل بہلا رہی تھی۔ گانے کے بولوں پہ اس کے لب مسلسل با آواز بلند حرکت کر رہے تھے۔

"آگ برساتے سورج میں برسات کا موسم کہاں

سے آگیا۔ کتنے خوش فہم ہیں یہ سب لوگ۔ گرمی اپنے جوبن پہ ہے اور یہ برسات کے خواب دیکھے جارہے ہیں۔" بیٹھی راحل صرف سوچ ہی سکی۔

کری تیشم کا کرتا چڑیا ہے وہائی
رم جھم میں جلتی ہے میری جوانی

عاکفہ نے پھر خاصی لمبی تان لگائی۔ راحل نے اسے غور سے دیکھا۔ جھاڑن سے جالے اتارتے ہوئے وہ کتنی خوش نظر آرہی تھی۔

"ایک میرے سوا سب ہی خوش ہیں۔" وہ دل مسوس کر رہ گئی۔

کمرے صاف کرنے کے بعد عاکفہ نے اسی ترنگ میں باہر کا رخ کیا اور کپڑے دھونے لگی اب اس کی سوئی نور جہاں کے گانے پہ اٹک گئی تھی۔

آئے ہو ابھی، بیٹھو تو سہی
جانے کی باتیں جانے دو

فضل دین کو اندر آتے دیکھ کر اس کی زبان کو بریک لگ گیا۔ رضوانہ نے بے دھیان کھڑے فضل دین پہ پانی کی بالٹی بھر کر اچانک ڈالی تو وہ بے چارا ہڑبڑا گیا۔ رضوانہ اپنی کارروائی سے بہت خوش تھی۔

"اب دیکھنا، بارش ہوگی۔" وہ پورے وثوق سے بولی۔

فضل دین الٹے قدموں واپس ہوگیا اور جاکر زبیدہ بیگم سے شکایت کردی۔ تھوڑی دیر بعد راحل نے دیکھا کہ رضوانہ سر جھکائے چپ چاپ دادی اماں کی ڈانٹ ڈپٹ سن رہی ہے۔ ان کے منظر سے ہٹتے ہی وہ عاکفہ کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگی۔ رضوانہ کا اگلا نشانہ نورین بھابھی بنیں۔

وہ چھت پہ پانی کی بالٹی بھر کر پہلے ہی رکھ آئی تھی، جونہی وہ سامنے آئی رضوانہ نے اوپر سے پانی اس پہ پھینکا۔

فضل دین کی طرح اسے غصہ نہیں آیا، بلکہ اب وہ بھی رضوانہ کے ساتھ مل گئی۔ اس روز تو بارش نہیں ہوئی مگر زوردار جھکڑ ضرور چلے۔

دو دن بعد گرد آلود آندھی آئی اور سارے بادلوں کو سمیٹ کر لے گئی۔ دھوپ بڑی شدید تھی۔ راحل جیسے نازک مزاجوں سے ایسی گرمی کہاں سہی جاتی تھی۔

دادی اماں، نورین، چھوٹی چچی، تائی، رضوانہ اور عاکفہ مل کر گندم کے دانے صاف کررہی تھیں۔ فرش پہ گندم ہی گندم بکھری ہوئی تھی۔ راحل کے لیے یہ مہک نامانوس تھی اور ناگوار بھی۔ وہ سب ہنستے باتیں کرتے ہوئے کام بھی کرتی جارہی تھیں۔

وہ اندرونی کمرے سے باہر نکل آئی۔

یہ گھر بغیر کسی نقشے کے بنایا گیا تھا۔ گیٹ سے اندر آتے ہی بڑی سی بیٹھک تھی اس کے ساتھ ہال کمرا تھا۔ بائیں ہاتھ پہ باورچی خانہ اور اناج اسٹور کرنے کا کمرا تھا۔ اس کے بعد ترتیب سے چھ کمرے بنے ہوئے تھے۔ اختتام پہ غسل خانہ اور بیت الخلاء تھا۔ درمیان میں خاصی جگہ خالی تھی۔ بعد میں اوپری منزل پہ جانے کے لیے سیڑھیاں تھیں۔ عقبی دیوار کے ساتھ وسیع باغ تھا۔ مگر اس طرف عورتیں کم ہی جاتی تھیں۔ کیونکہ سب کا کہنا تھا کہ باغ میں رکھوالی کے لیے بنائے جانے والے کمرے میں آسیب بستے ہیں۔

راحل بغیر کسی ارادے کے اس طرف آئی تھی۔ وہ جب باغ کے بیچوں بیچ بنے کمرے تک پہنچی تو تب اسے آسیب والی بات یاد آئی۔ اسے دوسروں کی طرح یقین تو نہیں تھا مگر پھر بھی اس نے قدم واپس موڑ لیے۔

"کبھی آرام سے آؤں گی تو جائزہ لوں گی۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی۔ مگر اسی وقت پھر اس نے دوبارہ قدم آگے کی طرف موڑ لیے۔

آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی درختوں کی لٹکتی شاخوں سے اپنا آپ بچاتی وہ سیدھی اس کمرے تک پہنچ گئی۔ باہر کھڑے کھڑے اس نے اندر جھانکا۔

ایک عام سا کمرا تھا کوئی بھی تو خصوصیت نہیں تھی اس میں جو ظاہر کرے کہ یہاں غیر مرئی چیزوں کا بسیرا ہے۔ ایک جھلنگا سی چارپائی دو ناکارہ موٹر کے پہلے ایک زنگ آلود مشین میلے غلاف والا تکیہ۔ چارپائی پہ بڑی بالکل دھلی ہوئی چادر۔ جب اس طرف کوئی آتا نہیں تھا تو یہ صاف ستھری چادر کیا معنی رکھتی تھی۔ پہلی بار اسے اس گھر میں کچھ دلچسپی محسوس ہوئی۔ کچھ مبہم سی سوچوں کے ہمراہ وہ پلٹ آئی۔

شدید حبس کے بعد بادلوں کے پرے کے پرے جمع ہونے شروع ہوگئے تھے۔ زبیدہ بیگم لڑکیوں کو آواز دے رہی تھیں، تاکہ وہ خشک لکڑیاں اندر محفوظ کرلیں کیونکہ بادل برسنے کو بے تاب نظر آرہے تھے۔ رضوانہ دھلے ہوئے کپڑے اتار رہی تھی۔ راشو اپنی مرغیوں کو بمشکل ڈربے تک لائی۔ عاکفہ لکڑیاں باورچی خانے میں ڈھیر کرتی جارہی تھی۔ نورین بھی اس کے ساتھ ہاتھ بٹانے لگی۔

پھر اچانک موٹی موٹی بوندیں تواتر سے پیاسی دھرتی کو سیراب کرنے لگیں تو گیلی مٹی کی سوندھی سوندھی مہک الگ سے ہی اپنی پہچان کرانے لگی۔ راحل برآمدے کے پلر کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے جوتوں سے آزاد پیروں کو بارش کا پانی بھگو رہا تھا۔

اسی اثناء میں بجلی بھی چلی گئی۔ مغرب کا وقت تھا۔ اندھیرا گہرا ہوتا جارہا تھا۔ عاکفہ کیروسین لیمپ جلا کر تمام کمروں میں رکھ آئی۔ راحل خوش نظر آرہی تھی۔ زبیدہ بیگم مطمئن ہوگئیں۔ آج پہلی بار وہ اس ماحول کا حصہ نظر آئی تھی۔

جرار شہر گیا ہوا تھا۔ کچھ لوگوں کو اس کی واپسی کا بے چینی سے انتظار تھا۔ بجلی کی آنکھ مچولی جاری تھی۔ تھوڑی دیر بعد آسمان صاف ہوچکا تھا۔ چارپائیاں وسیع صحن میں یہاں سے وہاں تک بچھی نظر آرہی تھیں۔

نورین نے بڑے سے ٹب میں آم ٹھنڈے ہونے کے لیے ڈال دیے اور پھر بڑی نفاست سے کاٹ کاٹ کر سب کے لیے الگ الگ پلیٹوں میں رکھے اتنے میں جرار بھی آگیا۔ طائرانہ سی نگاہ سب پہ ڈال کے وہ سلام کرتا اندر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

راحل کی بے چین نگاہوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا۔ اس کی دلچسپی ہر چیز سے ختم ہوگئی۔ آم کی قاشیں جوں کی توں اس کے سامنے پڑی ہوئی تھیں اس نے چکھا تک نہیں۔

جرار تھوڑی دیر بعد واپس آیا، کچھ دیر ان سب کے درمیان بیٹھا اور دادی جان کے ساتھ ساتھ ابو چچا اور امی سے ہی اس کی بات چیت ہوتی رہی۔ وہ آہستہ آواز میں باتیں کررہے تھے۔ راحل کے پلے ایک لفظ تک نہیں پڑا۔ جرار کچھ دیر کے بعد سونے کے لیے چلا گیا۔

راحل نے تمام چارپائیوں پہ سوئے ہوئے افراد پہ نگاہ دوڑائی۔ ہر سو خاموشی تھی جھینگر اور گیدڑوں کی آوازیں سناٹے کو مجروح کررہی تھیں۔ اس نے ریڈیم ڈائل والی نازک سی رسٹ واچ میں ٹائم دیکھا ابھی گیارہ نہیں بجے تھے "شاید وہ سوچکا ہو" وہ خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑائی۔ مگر اب اس سے مزید صبر نہیں ہو رہا تھا۔ اپنی انا کو فی الحال اس نے بالائے طاق

رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔

جرار کے کمرے کا دروازہ بھڑا ہوا تھا۔ ہاتھ لگانے سے جو جھٹ کھل گیا۔ وہ نیند میں تھا۔ مگر کھٹکے سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں در آنے والی چاندنی نے اسے بتایا کہ یہ ہیولا نسوانی ہے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور لائٹ جلادی۔ سامنے راحل کھڑی تھی۔ بے اختیار ایک آسودہ سانس اس کے سینے سے خارج ہوئی۔ جرار نے صوفے پہ پڑی قمیص اٹھا کر اپنی طرف کھسکائی۔

راحل شرمندہ سی تھی۔ اس شخص کو آج تک اس نے خود مخاطب نہیں کیا تھا مگر گردش دوراں کیا کیا رنگ دکھلاتی ہے۔ وہ رات گئے اس کے کمرے میں تھی۔ اپنی ضرورت اسے وہاں لائی تھی۔

"میں اس لیے آئی ہوں کہ شاید کچھ پتہ چلا ہو۔" اس کی تذبذب میں ڈوبی آواز ابھری۔ جرار قمیص پہن چکا تھا۔

"آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں اوپر والا بہتر ہی کرے گا۔" خلاف معمول اس کا لہجہ نرم تھا۔ راحل کا حوصلہ بڑھا۔ اس نے بڑی امید سے جرار کی طرف دیکھا۔

"آپ پرانے نیوز پیپر لائے ہیں؟"

"نہیں۔ البتہ آج کے تین چار اخبارات موجود ہیں۔ آپ لے جائیں۔ کچھ کتابیں اور میگزین بھی ہیں۔" جرار نے سامنے پڑے شاپر کی طرف اشارہ کیا۔

"میں صبح لے لوں گی۔" اس سے صبر تو نہیں ہو رہا تھا مگر اس وقت مناسب نہیں لگ رہا تھا۔

"اس وقت کیوں نہیں؟" وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی پوچھ رہا تھا۔ وہ اسی خاموشی سے باہر نکل آئی۔ دو آنکھیں چادر کی جھری سے بغور اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ جرار نے دروازہ بند کیا اور قمیص اتار کر پنکھے کے آگے لیٹ گیا۔ کمرے میں ابھی تک راحل کی خوشبو رچی محسوس ہو رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنائے وہ چت لیٹا چھت کو دیکھ رہا تھا۔

عابدہ چچی جو ... تھیں
ان کی آواز ابھی بھی اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ ایک تلخ سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کرلیا۔

٭٭٭

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو سب ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے سوائے اس کے۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر غسل خانے سے باہر آئی اور اپنا تولیہ اسی وقت تار پہ پھیلا دیا۔ اپنی ذاتی اور عام استعمال کی تمام چیزیں اس نے یہیں منگوالی تھیں۔ اس کی کنگھی، تولیہ، صابن اور دیگر چیزیں الگ تھیں۔

پہلے دن جب وہ یہاں آئی تو منہ دھونے کے بعد جب اسے تولیہ پیش کیا گیا تو اس نے عجیب سی نگاہ سے عاکفہ کو دیکھا اور سوری کہا پھر اس نے ٹشو پیپر سے اپنے چہرے کو صاف کیا۔ اس کے پاس انواع و اقسام کی کریمیں، لوشن، شیمپوز اور جانے کیا کیا الابلا تھا۔ عاکفہ نے دیکھا تو بطور خاص رضوانہ اور راشو سمیت نورین بھابھی کو بھی بتایا۔ راحل کے خوبصورت ہاتھ پاؤں اور کھلی کھلی سی رنگت کے لیے اس کی نگاہوں میں رشک و ستائش کی چمک صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔ خود ان سب کے ہاتھ پاؤں اس کے مقابلے میں کتنی گہری رنگت کے تھے۔ برتن مانجھ مانجھ کر ہاتھوں کی ساری نرمی اور نزاکت زائل ہوگئی تھی۔ یہی حال پاؤں کا تھا۔ پھٹی ایڑیاں، بد رنگ ناخن اور خاکستری جلد۔ کاموں میں ہر وقت مصروف رہنے کے باعث اپنے اوپر توجہ دینے کا وقت ہی کہاں تھا۔

اس دن کے بعد سے کسی نے بھی راحل کو اپنا تولیہ دینے کی حماقت نہیں کی البتہ جرار سے اس کا تولیہ استعمال کرنے کی غلطی ضرور ہوئی۔ وہ حسب معمول شام کو واپس آنے کے بعد غسل خانے میں چلا گیا تار پہ لٹکا تولیہ اس نے اتار کر ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔

وہ نہا کر نکلا تب راحل نے اپنا تولیہ اس کی گردن میں دیکھا۔ تنفر اور تحقیر کی ایک لہر سی تھی جس نے پل

بھر میں اسے ... جرار نے اسی طرح تولیہ دوبارہ تار پہ پھیلایا۔ راحل نے بڑی تیزی سے آکر تولیہ تار سے اتار کر نیچے مٹی میں پاؤں سے بڑی قوت سے مسلا تب جرار کو پتہ چلا کہ کیا معاملہ ہے۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کیا کیونکہ دادی اماں اسے تیکھی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

اس روز راحل سر شام ہی کمرے میں بند ہوگئی اور ہزار ہا منتوں کے باوجود کھانا نہیں کھایا۔

غصہ تو جرار کو بھی آیا مگر اس نے راحل کی طرح تماشا بننا گوارا نہیں کیا۔ دوسرے روز اس نے نیا تولیہ راحل کو لادیا۔ اس بات پہ کافی روز ہلکی ہلکی سرگوشیاں ہوتی رہی، جو اسے اپنا مستقبل ابھی سے دکھا رہی تھیں۔

نورین نے اس کے لیے تازہ چائے بنائی آج ڈبل روٹی، جام اور مارجرین بھی ناشتے میں موجود تھا۔ راحل کی استفہامیہ نگاہوں کے جواب میں نورین بھابھی نے وضاحت کی۔

"جرار کل لایا ہے۔ بڑی اماں نے کہا تھا۔"

وہ چینی کے نفیس سے کپ میں اس کے لیے چائے انڈیل رہی تھیں۔

راحل نے سلائس کے کنارے کو محض دانتوں سے کتر کر چھوڑ دیا اس کا بالکل بھی کھانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ نورین جوں کی توں سب چیزیں اٹھا کر فریج میں رکھ آئی۔

رضوانہ اور عاکفہ کپڑے دھو رہی تھیں۔ میلے کپڑوں کا پورا ڈھیر تھا۔ عاکفہ بڑی تندہی سے جرار کی سفید بنیان پہ برش رگڑ رہی تھی۔ نورین آکر راحل کے اتارے جانے والے کپڑے بھی اس کے پاس رکھ گئی۔ رضوانہ نے کچھ سمجھانے والی نگاہوں سے عاکفہ کی طرف دیکھا۔

"قمیص کی سلائی اور رنگ کتنا پیارا ہے۔" وہ بولی تو رضوانہ اسے گھورتے ہوئے بالٹی میں اور پانی ڈالنے لگی "ہاں لگتا ہے کسی مہنگے درزی نے سیا ہے کون سا

... ہے چچا کے پاس۔" اس کا لہجہ ہر جذبے سے عاری تھا۔ عاکفہ اب جرار کا کرتا دھو رہی تھی۔ کچھ دیر بعد راشو بھی ان کے پاس آگئی۔

وہ تینوں کپڑے دھونے کے ساتھ ساتھ فراٹے سے باتیں بھی کر رہی تھیں۔ راحل ان سے قدرے فاصلے پہ برآمدے میں رکھی لوہے کی کرسی پہ بیٹھی جرار کے لائے اخبارات غور سے پڑھ رہی تھی۔ اس کی مطلوبہ خبر کہیں نہیں تھی۔ زبیدہ بیگم کو آج کچھ زیادہ ہی گرمی لگ رہی تھی۔ وہ اندر کمرے میں ہی تھیں۔ عائشہ چچی جانے کہاں تھیں منو دوبارہ انھیں پوچھ چکا تھا۔

یکدم راحل کی توجہ ایک اجنبی سی آواز سے بٹ گئی۔ عاکفہ، رضوانہ اور راشو تینوں اچانک کپڑے چھوڑ کر اندر چلی گئی تھیں۔ نورین بھابھی بھی متفکر سی تھیں۔

وہ بھی اخبار چھوڑ کر ان کے درمیان آگئی۔

عائشہ چچی چارپائی پہ عجیب سے انداز میں پڑی تھیں ان کا جسم اینٹھا سا لگ رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں مڑے ہوئے، گلے سے مسلسل خرخراہٹ سے مشابہہ آواز نکل رہی تھی۔ تائی ان کے منہ میں چمچے سے پانی ڈالنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں کیونکہ تمام پانی منہ میں جانے کے بجائے باچھوں کے کنارے سے باہر نکل رہا تھا۔

راحل کو ان کی آنکھیں دیکھ کر جھرجھری سی آگئی۔ اف کیسی سرخ انگارہ آنکھیں تھیں جیسے شعلے دہک رہے ہوں۔

"کسی کو بھیجو، مولوی صاحب کو بلا لائے۔" زبیدہ بیگم کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔ وہ چاروں قل پڑھ پڑھ کر ان پہ پھونک رہی تھیں۔

مگر عائشہ کی حالت جوں کی توں تھی۔

"انہیں کیا ہوا ہے منو؟" راحل نے روتے ہوئے منیر احمد سے پوچھا جسے پیار میں سب منو کہتے ہیں۔

"میری امی پہ جن آتے ہیں راحل باجی!" منو ساتھ

ساتھ الٹے ہاتھ کی پشت سے اپنے آنسو بھی صاف کرتا جارہا تھا۔

"بڑے شاہ صاحب کہتے ہیں، میری امی کا جن بہت خطرناک ہے کیونکہ جب جن آتا ہے تو امی ہر چیز توڑ پھوڑ کر رکھ دیتی ہیں۔ خود کو مارتی ہیں۔" وہ توجہ سے سن رہی تھی۔

فضل دین مسجد سے مولوی صاحب کو بلوا لایا تھا۔ وہ کرسی عائشہ کے سرہانے ڈالے بیٹھے دم کررہے تھے۔ عائشہ بستر سے اٹھ اٹھ کر مولوی صاحب کو مارنے کی کوشش کررہی تھیں۔ نورین، رضوانہ، عاکفہ اور راشو نے بمشکل تمام عائشہ کو قابو کر رکھا تھا۔ آزاد ہونے کی کوشش میں ان کا جسم بل کھا رہا تھا۔

مولوی صاحب دم کرنے کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے تو عائشہ کو چھوڑ دیا گیا بس پھر کیا تھا وہ پیچھے سے مولوی پہ پل پڑیں۔ ان کے حلق سے کھردری مردانہ آواز نکل رہی تھی۔

"تو اسے چھوڑ کر کیوں گیا تھا بول اکمل! میں تجھے نہیں جانے دوں گا۔" عائشہ نے پوری قوت سے مولوی کا بازو پکڑ لیا تھا۔ اسے چھڑانا دشوار ہو رہا تھا۔ اٹھارہ انیس سالہ مظہر الحق اس صورت حال سے بری طرح ہراساں نظر آرہا تھا۔ ایک عورت جس پہ جن چڑھا تھا اسے اکمل سمجھ رہی تھی کتنے جتن کرنے کے بعد مظہر الحق کو رہائی ملی تو وہ کمان سے چھوٹے تیر کی مانند مسجد کی طرف بھاگا۔ جو چند قدم کے فاصلے پہ تھی۔

دادی اماں منہ پہ دوپٹہ ڈال کر رو رہی تھیں۔ عائشہ اب چت لیٹی چھت کو گھور رہی تھیں ان کی اس نگاہوں میں پہچان کی کوئی رمق نہیں تھی۔

عائشہ کی سب سے بڑی جیٹھانی مسرت کی کیفیت بھی ساس سے مختلف نہیں تھی۔ منو الگ سہما سہما تھا۔

☼ ☼ ☼

راحل آج اندر کمرے میں سوئی تھی۔ دن میں بھی دو ڈھائی گھنٹے کی نیند لے لی تھی اب کروٹوں پہ کروٹیں بدل رہی تھی۔

تمام کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ البتہ دروازہ اس نے خود بند کیا تھا۔ گھٹن سی محسوس ہورہی تھی۔ سرہانے پڑا دوپٹہ شانے پہ ڈال کر وہ بستر سے نیچے اتر آئی۔ اور کھلی کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔ چاند کی ہلکی ہلکی سی روشنی پھیلی تھی۔ گھنے درخت بھوتوں کی مانند لگ رہے تھے بدہیئت اور بدوضع۔ وہ چوکھٹ پہ بازو رکھ کر آگے ہوئی۔ عقبی دیوار کی سمت اسے کوئی سایہ پل بھر کے لیے نظر آیا وہ ڈر سی گئی اور کھڑکی بند کرکے دوبارہ بستر پہ آگئی۔ یہاں دل بہلانے کے لیے کچھ بھی تو نہیں تھا سوائے کتابوں کے وہ بھی راحل پڑھ چکی تھی۔

تمام دن وہ بور ہوتی رہتی نہ کوئی دوست تھا نہ ہمراز، کس سے وہ حکایت دل بیان کرتی۔

☼ ☼ ☼

عاکفہ اور رضوانہ، جرار کے ساتھ قصبے کے بازار جارہی تھیں۔

دادی اماں نے راحل کے ناں ناں کرنے کے باوجود زبردستی پانچ سو کا نوٹ اس کے پرس میں ڈال دیا۔

وہ تو بازار بھی نہیں جانا چاہ رہی تھی۔ زبیدہ بیگم نے اسے راضی کیا عاکفہ اور رضوانہ بہت خوش لگ رہی تھیں۔ نورین بھابھی اور راشو نے بھی اپنی اپنی مطلوبہ چیزوں کی لسٹ انہیں دے دی تھی۔

راحل بھی تیار ہوکر آگئی۔ دوپٹہ بمشکل اس کے سر ٹکا ہوا تھا۔ جرار کی نگاہوں سے ناپسندیدگی عیاں تھی۔

زبیدہ نے اپنی کڑھائی والی چادر نکال کر راحل کو دی "بیٹی! اسے اچھی طرح اوڑھ لو ہمارے یہاں عورتیں کھلے سر کے ساتھ باہر نہیں جاتیں۔"

راحل کو سخت ہتک کا احساس ہوا مگر وہ واپس بھی نہیں جاسکتی تھی سب اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کی گوری رنگت میں خفگی کی سرخی بھی شامل ہوگئی مگر جرار نے چنداں اہمیت نہیں دی۔ وہ گاڑی میں بیٹھی تو جرار اسے سنانے کے لیے اونچی آواز میں بولا۔

"یہاں رہ رہی ہیں تو ہمارے طریقوں کے مطابق چلنا پڑے گا۔"

اس نے پوری توجہ شیشے سے باہر نظر آنے والے مناظر پہ مرکوز کردی۔ عاکفہ اور رضوانہ اپنی باتوں میں گم تھیں۔ راحل کو احساس ہوا کہ اس کی آنکھیں بھیگ رہی ہیں۔

ڈھائی ماہ پہلے اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا کہ کبھی اسے یہاں آنا اور اس طرح رہنا بھی پڑے گا۔ نورین اور ایوب کی شادی میں وہ مما کے ساتھ ایک دن کے لیے مارے باندھے آئی تھی اور سخت بیزار ہوگئی تھی۔

اور اب ڈھائی ماہ سے وہ "طوعاً و کرہاً" اس قید کو برداشت کررہی تھی۔ اس نے پلکوں پہ چمک اٹھنے والی نمی کو فوراً دوپٹے میں جذب کرلیا۔ زبیدہ بیگم کی چادر سے ملے جلے عطر کی خوش بو آرہی تھی جو اس کی حس شامہ کے لیے ایسی خوشگوار نہیں تھی۔

بازار بھی کیا تھا، چند دکانیں تھیں جن میں ضروریات زندگی کی ہر چھوٹی موٹی چیز دستیاب تھی۔ آدھے گھنٹے میں پورے بازار کو گھوم پھر کر دیکھا جاسکتا تھا۔

رضوانہ نے کپڑوں کے کئی تھان نکلوائے ہوئے تھے اتنے ڈل سے بھدے رنگ تھے۔ راحل کو ذرا بھی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی۔ بھلا اس نے ایسے کپڑوں کی کب خریداری کی تھی۔ اس کی وارڈروب میں تو ایک سے ایک نفیس، خوش رنگ اور عمدہ لباس موجود تھے۔ جرار نے بھی ایک زنانہ سوٹ کا کپڑا خریدا۔

یہ لان کا سفید اور کالے رنگ میں اس دکان کا سب سے اچھا کلر اور کپڑا تھا۔ راحل نے خود تو کچھ نہیں خریدا البتہ انہیں دیکھتی رہی، اچھی خاصی دیر ہوگئی۔ جرار نے انہیں کولڈ ڈرنک پلوائی۔ واپسی پہ جب وہ گاڑی سے اتر کر جانے لگی تو جرار نے کپڑوں کا شاپر اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ آپ کے لیے ہے، دادی اماں نے مجھ سے کہا تھا کہ راحل کو ضرور کپڑے لے کر دینا۔ میرے خیال میں اس کا پرنٹ بہت اچھا ہے۔" (تم ہوتے کون ہو یہ فیصلہ کرنے والے کہ یہ پرنٹ اچھا ہے یا برا۔) وہ خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ راحل نے کپڑے لے تو لیے مگر اس کی نگاہیں کچھ اور ہی کہہ رہی تھیں۔ وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔

وہ اندر آئی تو خواتین کو خبر ہوچکی تھی کہ جرار نے راحل کے لیے کپڑے لیے ہیں۔ مزید حیرت کی بات یہ تھی کہ اس نے لے بھی لیے تھے۔ رضوانہ اور عاکفہ نے یہ اطلاع نشر کرنے میں بڑی جلدی دکھائی تھی کیونکہ راشو اور نورین بھابھی کے ساتھ ساتھ عائشہ چچی کے چہرے پر بھی ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

تائی مسرت کی آنکھوں میں آج کوئی خدشہ نہیں تھا۔ زبیدہ بیگم بھی مطمئن نظر آرہی تھیں۔

"کل کٹ کر کے سی دوں گی۔" نورین بھابھی نے شوخی دکھائی۔ وہ سمجھ میں نہ آنے والے انداز میں انہیں دیکھنے لگی۔

(احمق ہیں سارے کے سارے۔ ذرا سی بات کا افسانہ بنادیں گے اور میں کیا ایسے ہی یہ کپڑے رکھ لوں گی؟) وہ اندر ہی اندر کبیدگی سے سوچ رہی تھی۔

جرار جانے کہاں چلا گیا تھا۔ وہ پیسے دینے کے لیے اس کا انتظار کررہی تھی۔ جرار کا احسان وہ لینا نہیں چاہتی تھی چاہے وہ کپڑے کے ایک سوٹ کا ہی کیوں نہ ہوتا۔

وہ آتے ہی چھت پہ چلا گیا۔ چھت پہ جانے کا راز اس پہ کچھ روز پہلے ہی کھلا تھا۔ وہ چھت پہ سگریٹ پینے جاتا تھا۔ سب کے درمیان بیٹھ کر اس نے کبھی سگریٹ نہیں پی تھی پھر ابا اور گھر کی دیگر خواتین کے احترام میں وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا۔

راحل نے بھی پرس سے پیسے نکالے اور اوپر کا رخ کیا۔ اسے رضوانہ کی عقابی چبھتی نگاہوں کا احساس ہی نہ ہوا۔ جو اسے اوپر جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

اس کا اندازہ سو فی صد درست نکلا۔ جرار واقعی

سگریٹ پی رہا تھا۔ راحل کو دیکھتے ہی وہ چونک گیا۔

"یہ لیں اپنے پیسے؟"

"کون سے پیسے؟"

"اس سوٹ کے جو آج آپ نے لیا ہے۔"

"میں نے وہ سوٹ پیسے لینے کے لیے نہیں خریدا تھا۔"

"میں بھی ایسے نہیں لوں گی خوامخواہ میں کسی کا احسان نہیں لے سکتی۔"

"یہ احسان نہیں میرا فرض ہے اور میں کوئی کسی نہیں ہوں۔"

"بہرحال یہ آپ رکھ لیں۔" وہ ابھی تک ہاتھ آگے بڑھائے کھڑی تھی۔

جرار نے پیٹھ موڑ لی۔

"راحل! میں ایک بار کہہ چکا ہوں کہ میں پیسے نہیں لوں گا۔" وہ درشتی سے بولا تو راحل نے پانچ سو کا نوٹ اس کے آگے پھینک دیا۔

جرار کی بادامی آنکھوں میں غصہ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ وہ مسلسل اس کی انا کو ہدف بنائے ہوئے تھی اور پھر جرار کے دل میں بھی پہلے سے خفگی اور شکوہ موجود تھا۔ وہ کہاں تک ضبط کرتا۔

"راحل! ایک منٹ رکو، یہ پیسے اٹھا کر مجھے دو۔"

پیسے جرار کے ہاتھ پہ رکھتے ہوئے راحل کے ہونٹوں پہ تمسخر تھا جیسے کہہ رہی ہو "دیکھ لیا۔" جرار نے سگریٹ سے نوٹ کو آگ لگا دی۔ وہ ایک طرف سے سلگ کر اپنی وقعت کھو رہا تھا۔ پھر ادھ جلا سگریٹ پھینک کر وہ راحل کو ہاتھ سے پیچھے ہٹاتا نیچے اتر گیا۔

رضوانہ نے جرار کی کیفیت سے بہت کچھ بھانپ لیا۔ کچھ دیر بعد راحل بھی نیچے آ گئی۔ اس نے لان کا سوٹ الماری میں گھسیڑ دیا۔

رات بہت دیر تک تائی مسرت، جرار کا انتظار کرتی رہیں جانے کہاں چلا گیا تھا وہ فکرمند سی تھیں۔

راحل خود کو چور سا محسوس کر رہی تھی۔ جرار بہت دیر بعد آیا اور کھانا کھائے بغیر سو گیا۔ تائی ماں تڑپ گئیں۔ یوں بھی انہیں وہ بہت پیارا تھا اور راحل جب سے یہاں آئی تھی۔ گھر کے ماحول میں بھی ایک بے عنوان سا تناؤ آ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

انتظار، انتظار، انتظار آج کل راحل کی زندگی اسی لفظ کے گرد گھوم رہی تھی۔ زندگی میں تھوڑی سی تبدیلی آئی تھی، یہ پتہ چل چکا تھا کہ ڈیڈی کو کہاں رکھا گیا ہے مگر ابھی تک ان سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔

ایک دوسری اطلاع اسے اخبار کے ذریعے ملی تھی کہ ڈیڈی کے تمام اکاؤنٹس منجمد کر دیے گئے ہیں۔ ایسا کورٹ آرڈر کے بعد ہوا تھا۔ مما بڑھ بڑھ کر ڈیڈی کے خلاف بیان بازی کر رہی تھیں۔

یہ صورت حال اس کا ذہن ماؤف کرنے کے لیے کافی تھی۔ کتنی بار وہ چھپ چھپ کر روئی۔

آج پھر غائب دماغی کے عالم میں وہ باغ کی طرف آ نکلی تھی۔ اس کے جذبہ تجسس نے اسے کمرے میں جھانکنے پہ اکسایا۔ کسی تبدیلی کا احساس ہو رہا تھا مگر وہ تبدیلی کیا تھی پتہ نہیں چل رہا تھا۔

چارپائی کے نیچے ایک ٹوٹی زنانہ جوتی پڑی ہوئی تھی۔ اچانک اسے یاد آیا کہ عائشہ چچی اپنی ایک گم ہونے والی جوتی کا کل بھی ذکر کر رہی تھیں کہیں وہ یہی جوتی تو نہیں ہے۔ مگر اس جوتی کو یہاں کون لایا تھا۔ چھوٹی چچی؟ مگر نہیں سب سے زیادہ تو اس طرف آنے سے وہی ڈرتی تھیں۔

وہ درختوں کے ساتھ ساتھ چلتی کافی آگے آ گئی، یہاں درخت گھنے تھے اور بے حد ٹھنڈک کا احساس ہو رہا تھا۔ خودرو جھاڑیوں کی بہتات نے اسے باغ سے زیادہ جنگل کا احساس دلایا تھا، جانے کس احمق نے اسے باغ کا نام دیا تھا۔ کئی جگہ قد آدم خاردار جھاڑیاں تھیں۔

راحل کو یہاں قدرے سکون کا احساس ہوا۔ مگر وہ رکے بغیر آگے بڑھتی رہی۔ دبی دبی نسوانی ہنسی کی آواز ابھری تو وہ وہیں رک گئی آگے چند قدم کے فاصلے پہ

آئی تھی
گھنی چھاؤں سی۔ یقیناً آواز اسی طرف سے
مگر خودرو پودوں کو ہٹائے بغیر کچھ دیکھنا ناممکن تھا۔
"کون ہے اس طرف؟" دل کڑا کر کے وہ مضبوط لہجے میں بولی۔

پھر راحل کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب گھنے پودوں کی اوٹ میں سے عائشہ چچی برآمد ہوئیں مگر اس وقت وہ اپنے حواس میں نہیں لگ رہی تھیں۔ جھومتی جھامتی وہ بازو پھیلائے اسی طرف آ رہی تھیں۔

"نہیں چھوڑوں گا کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گا تمہیں بھی نہیں۔" عائشہ چچی کے منہ سے مردانہ آواز برآمد ہوئی۔ آنکھوں کی جگہ دو سرخ انگارے دہکتے نظر آ رہے تھے۔ راحل بغیر سوچے سمجھے ایک طرف اندھا دھند بھاگ کھڑی ہوئی اس میں سمت اور راستے کا کوئی تعین نہیں تھا۔

یوں لگ رہا تھا چچی کا جن ابھی کسی طرف سے نکل کر اسے پکڑ لے گا۔

اور پھر جن کے ساتھ اس کی زوردار ٹکر ہوئی اس کے ساتھ لپٹی وہ بھی گری تھی۔

"یا وحشت! کیا بات ہے کوئی پیچھا کر رہا ہے آپ کا۔" جرار فوراً سنبھلا مگر راحل کی ٹانگ میں موچ آ گئی تھی تکلیف کی شدت سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اس کے منہ سے کتنی دیر تک آواز ہی نہ نکلی۔

"سہ پہر کو اس وقت پتا نہیں وہ یہاں کیا کرنے آئی ہے۔" جرار اس کے چہرے کو استفہامیہ نگاہ سے دیکھنے لگا۔

"میں یونہی گھومتے ہوئے ادھر آ نکلی۔ ادھر جھاڑیوں کے پاس چچی پہ جن آ گیا ہے۔"

خاصی دیر بعد وہ رک رک کر بولی تو ایکدم جرار کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔

"آپ گھر چلیں۔ میں انہیں دیکھتا ہوں۔"

"مگر میرے پاؤں میں موچ آ گئی ہے۔ میں کیسے جاؤں؟"

"میں کسی کو بھیجتا ہوں۔" وہ پیچھے کی طرف مڑا تو راحل کو رونا آ گیا۔

"سنیں، مجھے گائیڈ کر دیں تو میں چلی جاؤں گی۔"

راحل نے اسے پکار لیا۔ راحل اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی تکلیف کی شدت سے اس کے منہ سے کراہ نکل گئی۔ جرار نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا جسے وہ دیکھتی رہی۔ جرار کے سانولے بازوؤں پہ گھنے بال اسے ریچھ کے بالوں سے مشابہ لگے۔

راحل نے اس کے بڑھے ہاتھ کو نظرانداز کر دیا۔ جرار لمبے لمبے ڈگ بھرتا جاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ چند منٹ بعد رضوانہ اور عاکفہ اسے لینے آ گئیں۔ ان کے سہارے وہ گھر پہنچی تو عائشہ چچی کے بستر کے اردگرد پورا گھر جمع تھا۔

پہلے کی طرح ان کے ہاتھ پاؤں مڑے ہوئے تھے آنکھوں کی پتلیاں ایک جگہ ساکت، منہ سے جھاگ نکل رہا تھا۔ سارے خوف کے کوئی بھی ان کے پاس نہیں جا رہا تھا۔ جرار ہونٹ بھینچے یک ٹک چچی کو دیکھے جا رہا تھا۔

راحل کو ان نگاہوں سے پھریری سی آ گئی جانے ضبط کی کون سی کیفیت اس وقت ان گہری سیاہ آنکھوں سے ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ زبیدہ بیگم سے کچھ کہہ رہا تھا جو مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھیں۔ پھر وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔

پہلے کی طرح مولوی صاحب کو بلایا گیا۔ بڑی دیر کے بعد عائشہ چچی کی طبیعت سنبھلی تو سب کی جان میں جان آئی۔

✲ ✲ ✲

آج جمعرات کا دن تھا۔

نورین گوشت بھون رہی تھیں۔ جمعرات کی وجہ سے اس نے جلدی ہانڈی چڑھائی تھی کیونکہ مغرب سے پہلے پہلے زبیدہ بیگم سالن روٹی اور پانی پہ فاتحہ دلواتی تھیں۔ جمعرات کو ان کے ہاں خاصا اہتمام ہوتا تھا۔ چار قسم کے سالن بنتے حلوہ یا میٹھے چاول بھی لازمی پکتے۔ آج راشو چاول پکا رہی تھی۔ رضوانہ اور عاکفہ جلدی ہی واپس آ گئی۔ رضوانہ نے قیمہ کریلے پکا

بھی۔ مغرب

چلی ہی پک چکی تھی۔

...نے بعد دادی اماں نے پانی کا گلاس کچھ ... جرار کو دیا اور پھر راحل کی طرف بڑھایا۔
... بچی جو ٹھا پانی۔" اس نے بنا کسی لحاظ ... پاس ہی موجود عاکفہ اور رضوانہ کی ... گئی۔ راحل دھم دھم کرتی اندر چلی گئی۔

... رہا تھا ... کہہ گئی ہے۔ جرار کا پیا پانی جوٹھا کیسے ... کا یہ حال ہے بعد میں کیا ہو گا۔" وہ ... کر رہی ہیں۔

... صحت و صفائی کے اصولوں کی بڑی پروا ... جھینک استعمال کرتی ہے۔" جرار کی ... سمجھ میں آئی کچھ نہیں آئی۔
... ہم انسان نہیں ہیں کیا ہمیں صحت و صفائی ... پانچ وقت وضو کرنے کے بعد بھی ہم ... وہ موئے کیا نام ہے ان کا، ہاں جراثیم کیا ... ساتھ ہیں۔ تم نے غلطی سے اس کا تولیہ ... لیا تو کتنا غل مچایا اس نے۔ لو بھلا ایسے بھی ... کرتے ہیں۔"

... اماں! آپ نے تو میرے منہ کی بات چھین ... ذہن کر دیا ہے۔ ایسی نک چڑھی لڑکی سے اللہ ... نہیں چچا جان نے کیسے برداشت کیا ہو گا۔ ... کے عجیب و غریب ناز نخروں کو۔ میں تو یہ ... کر سکتا۔"

... آپ کے خوف ناک مستقبل کی ابھی سے ... کر سکتی ہوں۔" عاکفہ بھی زبیدہ اور جرار کی ... دور پڑی۔

... وقت تو راحل اپنا پانی کا گلاس اور کھانے کی ... الگ کر لے گی۔ کہے گی تم ادھر خوش ہم ادھر ...۔" رضوانہ نے لقمہ دیا تو زبیدہ بیگم کے چہرے پہ ... آ گئی مگر پاس بیٹھی مسرت کو غصہ آ گیا۔
... کو خدانخواستہ کیوں دونوں الگ ہوں۔ اللہ ... ان میں محبت اور سلوک دے، یہ دم کیا ہوا پانی ... پٹیاں اسے پڑھاتی رہی ہے۔ راحل کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ کچا ذہن ہے۔ ہر چیز کو سچ سمجھ لیتی ہے پھر بے چاری پہ اکٹھی آفتیں ایک ساتھ ٹوٹی ہیں۔ گھر سے دور ماں باپ سے دور یہاں پڑی ہے۔"

"اماں جان! آپ کو اس سے بڑی ہمدردی ہو رہی ہے۔"

"ہمدردی کیوں نہ ہو میری بہو ہے۔ خوب دھوم دھام سے بیاہ کرواؤں گی۔ شکر ہے ایاز کے دل میں ابھی تک خونی رشتوں کا لحاظ باقی ہے۔"

مسرت نے اپنے تئیں جرار کو لاجواب کرنا چاہا۔

"مگر بیٹی تو بڑی بدلحاظ ہے۔ محترمہ کا اکیڈمک کیریئر تو بڑا اچھا ہے مگر تربیت کس چڑیا کا نام ہے اسے نہیں پتہ۔ طریقہ و سلیقہ ادب و آداب بھی کوئی چیز ہوتے ہیں شاید یہ ضروری باتیں کسی نے اسے نہیں بتائیں۔"

جرار کا چہرا سرخ ہو کر رہ گیا۔ اس نے براہ راست راحل کی تربیت کو نشانہ بنایا تھا۔ وہ ایک ایک لفظ سن چکی تھی اور دانت پیس رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا ایک کی چار سنائے مگر یہاں آ کر اس نے برداشت کا پہلا سبق پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ لہٰذا ہونٹ چبانے کے سوا کچھ نہ کر سکی۔

"تم جو اس کے بڑے ہو بتا دینا ادب آداب۔"

مسرت جل کر بولی تو اس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"ضرور بتاؤں گا۔ ایک بار اس کا وقت تو آئے ہاتھوں میں ویسے بھی اسے دیکھ کر بڑی خارش ہوتی ہے۔ میں اس طرح کے نخرے اور بدتمیزیاں برداشت نہیں کر سکتا۔ آپ سب نے سر پر چڑھایا ہوا ہے اسے۔ ابھی تک مہمان بنی ہوئی ہے۔ کبھی ہل کر پانی بھی پیا ہے؟ یہ بھی تو نرم و نازک لڑکیاں ہیں گھر کے سارے کام کرتی ہیں دیکھ کر ہی پتہ چل جاتا ہے کہ کسی سلیقہ مند عورت کے ہاتھوں انہوں نے پرورش پائی ہے۔ راحل کو شرم تک نہیں آتی۔ مزے سے اپنے میلے کپڑے ان کے آگے پھینک دیتی ہے۔ صبح بھابھی

تاندہ بخت اس فنرلوری کے لیے بناتی ہیں، پھر بھی ہر چیز کو دیکھ کر منہ بناتی ہے۔ میں یہ نہیں کھاتی۔ میں وہ نہیں کھاتی۔ اوہم آپ خواتین اس پہ وارے صدقے جاتی ہیں جیسے کسی ریاست کی مہارانی ہو۔" جرار نے تلخ مزاجی کی انتہا کردی۔ مذاق مذاق میں بات کہاں چلی گئی تھی۔

مسرت منہ کھولے، آنکھیں پھاڑے جرار کو دیکھ رہی تھیں، جس کے منہ سے آگ میں لپٹے لفظ برآمد ہو رہے تھے۔ اپنی بات مکمل کرکے وہ اٹھا اور باہر نکل گیا۔ مسرت اور زبیدہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔

"کیا بنے گا ان کا۔ ایک سیر ہے تو دوسرا سوا سیر ہے۔ دیکھا آپ نے اماں! جری کتنا منہ پھٹ ہو گیا ہے۔ اپنے آگے کسی کو کچھ گردانتا ہی نہیں۔" اب مسرت کو نئی فکر لاحق ہو گئی۔

جرار کی گفتگو کا ردعمل صبح ظاہر ہوا جب نورین بھابھی راحل کے لیے گرم گرم ناشتہ لائیں۔ اس نے آنکھ اٹھا کر بھی ٹرے کی طرف نہیں دیکھا۔ بے وقعتی اور بے بسی کا کیسا احساس تھا جس نے رات بھر سے اسے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

"کتنا اچھا ہوتا اگر ڈیڈی مجھے یہاں نہ آنے کو کہتے۔ میں کسی لیڈیز ہاسٹل میں رہ لیتی، جرار مجھے بوجھ سمجھ رہا ہے محض اس لیے کہ میں اس کے گھر میں پڑی ہوئی ہوں بے یار و مددگار۔" راحل کے آنسو بے اختیار رخسار پہ پھسلنے لگے۔

نورین بھابھی کے لاکھ منتیں کرنے کے بعد اس نے صرف چائے پی۔ جام لگے سلائس جوں کے توں پڑے رہے۔

"بھابھی! آئندہ میرے لیے یہ سب مت منگوایئے گا۔" اس کا اشارہ ڈبل روٹی اور جام، مارملیڈ کی طرف تھا۔ "اور صبح سب کے ساتھ مجھے بھی اٹھا دیا کریں۔" اس کا لہجہ بھیگا سا تھا۔

نورین نے اپنے دل میں راحل کے لیے ہمدردی محسوس کی۔ "جرار تو کبھی کبھی حد کر دیتا ہے مگر یقین کرو وہ دل کا برا نہیں ہے۔" وہ اپنی بات کا ردعمل اس کے چہرے پہ تلاش کر رہی تھی۔ راحل نے شکوہ کناں نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

عین اسی وقت جرار بھی پیڑھی گھسیٹ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"بھابھی! ایک کپ چائے کا میرے لیے بھی لے آئیں۔"

"آج بڑی دیر سے اٹھے ہو؟" نورین نے استفسار کیا۔

"ہاں۔ آج بڑے لوگوں کی طرح میں بھی دیر سے اٹھنے کا مزا چکھنا چاہتا تھا۔" اس نے گیلے بالوں میں ہاتھ چلاتے ہوئے بڑے مصروف انداز میں کہا۔ "ہاں مگر بڑے لوگوں کا بچا کھچا ناشتہ میں نہیں کروں گا۔ یہ سب ہٹائیں سامنے سے۔ میرے لیے پراٹھا انڈہ لے آئیں بس۔"

وہ جسے بچا کھچا ناشتہ کہہ رہا تھا راحل نے اس میں سے چکھا تک نہیں تھا اس کے طنز کو وہ نظر انداز کر گئی۔ نورین، جرار کی طرف پشت کیے چائے ڈال رہی تھی۔

جرار نے راحل کو دیکھا تو اس نے اپنی پیڑھی پیچھے کرلی۔ جرار کے گھنی مونچھوں تلے چھپے ہونٹ بے ساختہ مسکرائے۔ وہ وہاں سے اٹھ گئی۔

نورین نے گرم گرم پراٹھا توے سے اتار کر چنگیر میں اس کے سامنے رکھا تو جرار سے قدرے فاصلے پہ پڑی پیڑھی پہ راحل موجود نہیں تھی۔

"ہائیں یہ کہاں چلی گئی چائے کا کپ اسی طرح چھوڑ کر۔"

"آپ سب کی فکر میں دبلی نہ ہوا کریں ورنہ ایوب بھائی کو غصہ بھی آسکتا ہے۔ مستقبل قریب میں جس محترمہ کو آپ کی دیورانی ہونے کا شرف حاصل ہوگا اس کا دماغ مجھے کافی ٹیڑھا لگتا ہے۔ اب بھلا میں نے ایسا کیا کہہ دیا ہے، جو وہ ناشتہ ادھورا چھوڑ کر اٹھ گئی۔"

"جرار! تم اس سے الجھا نہ کرو۔ اسے ہنسی مذاق پسند نہیں ہے۔ ہر وقت چپ چپ سی رہتی ہے۔ دیکھے بندے...

"بہت خوب آپ تو اس کے حمایتوں میں شامل ہو گئی ہیں۔ میں کب اس سے الجھتا ہوں میں تو خود سے مخاطب تک نہیں کرتا۔"

"جرار! ہم سب کو اس کی دلجوئی کرنی چاہیے۔ تمہاری طرف سے اپنائیت کا ذرا سا اظہار اس کے لیے بہت اہم ہوگا۔"

"آپ کون سی دنیا میں رہتی ہیں۔ ہونہہ اپنائیت کا ذرا سا اظہار۔ کوئی کسی کو اپنا سمجھے تب نا۔"

جرار نے اسے لاجواب کر دیا۔

☼ ☼ ☼

گرمیوں کی سنسان طویل دوپہریں اور حبس زدہ راتیں کاٹے نہیں کٹ رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا زندگی رک سی گئی ہے۔ وہ بے کل بے کل سی پورے گھر میں گھومتی پھرتی۔ یہاں کوئی اسے ایسا نظر نہیں آتا تھا جس کے کندھے پہ سر رکھ کر وہ جی بھر کے روتی۔ کم از کم اندر کی گھٹن تو کم ہو جاتی۔

جرار کے اس طعنے کے بعد کہ وہ ابھی تک مہمان بنی ہوئی ہے اس نے بادل نخواستہ گھر کے کام کاج میں اپنی خدمات کی پیش کش کی۔ مسرت بیگم نے اسے سہولت سے منع کر دیا۔

"گھر کے کام چل رہے ہیں تمہارے کرنے یا نہ کرنے سے فرق نہیں پڑے گا اگر ایاز بھائی کو یہ پتا چل جائے کہ ہم اس کی لاڈلی بیٹی سے کام کروا رہے ہیں تو جانے اس کا کیا حال ہو۔ تم نے جری کی بات کو شاید دل پہ لے لیا ہے۔ کہنے دو اسے جو کہتا ہے۔ بحث کرنے سے اسے اور بھی غصہ آتا ہے۔"

راحل کے لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ رینگ گئی۔

نورین بھابھی میکے گئی ہوئی تھیں ان کی عدم موجودگی میں کھانا پکانے کی ذمہ داری راشو اور رضوانہ کے سر پہ آ پڑی۔

عائشہ چچی ابھی ابھی آٹا گوندھ کر فارغ ہوئی تھیں۔ راشو کے سامنے ٹرے میں سبزیاں پڑی تھیں، جن کا ...تا تھا۔ راحل کو یہ کام سب سے آسان لگا۔ اس نے راشو کے روکنے کے باوجود ٹرے اور چھری اس سے لے لی۔ اناڑی ہاتھ پہلی دفعہ یہ معرکہ سر کر رہے تھے۔

کھیرے کے موٹے موٹے چھلکے تو اس نے آرام سے اتار لیے۔ پیاز کاٹتے ہی اس کی آنکھوں اور ناک سے پانی بہنا شروع ہو گیا۔ اس نے پہلی چھینک ماری، پھر دوسری اور لگاتار چھینکوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس پہ مستزاد اناڑی —— ٹماٹر کاٹتے ہوئے چھری اس کی بائیں ہتھیلی پہ بڑے زور سے لگی۔

سرخ سرخ تازہ خون ایک لکیر کی صورت میں زمین پہ گرا تو راحل زور زور سے رونے لگی۔ پل بھر میں اس نے سارے گھر کو ہلا دیا جس پہ بعد میں اسے خاصی شرمندگی ہوئی۔

جرار کو بھی اس عظیم سانحے کی خبر ہو گئی۔ اس نے تبصرے سے گریز ہی کیا کیونکہ دادی اماں اور امی بڑی ہمدردی جتا رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

راشو نے انڈوں پہ دو مرغیوں کو اکٹھے بٹھایا تھا اکیس بائیس دن بعد جب ننھے منے بھورے، کالے پیلے اور بادامی رنگ کے چوزے نکلے تو اس کی خوشی دیدنی تھی۔ ایک ایک کو پکڑ کر تاپا اور اسی وقت چوزوں کی خاطر مدارات میں جت گئی۔ راحل کو دکھانے کے لیے وہ چوزہ ہاتھ پہ رکھ کر لائی تو اس کے پیچھے پیچھے ہی مرغی غضبناک انداز میں پر پھیلائے دوڑتی آئی۔

مارے خوف کے راحل کا رنگ زرد ہو گیا جبکہ راشو بالکل بھی خوفزدہ نہیں تھی۔

"میں نہیں دیکھتی چوزہ۔ اسے پرے ہٹاؤ۔ وہ وہ مرغی مجھے گھور رہی ہے۔"

"گھورنے دو۔ دیکھو تو یہ کتنا نرم نازک سا ہے۔ اس کا پیارا سا نام تو بتاؤ۔"

"اسی وقت مرغی نے راشو کے پیر میں پوری قوت سے چونچ ماری تو اس کی ساری بہادری ہوا ہو گئی۔ چوزہ

اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ راشو صاحبہ نے وہیں سے دوڑ لگادی۔ مرغی اپنے سپوت سمیت ڈربے کی طرف چلی گئی تو راحل کی جان میں جان آئی۔ راشو مارے غصے کے شام تک ڈربے کی طرف گئی ہی نہیں۔ اس سنہرے موقعے سے فائدہ عاکفہ نے اٹھایا۔ اور تمام انڈے اٹھا کر چھپا دیے۔ راحل دیکھ رہی تھی۔ بے اختیار اس کے لبوں پہ ہنسی دھنک بن کر لہرائی۔ دروازے سے اندر داخل ہوتا جرار یہ ناقابل یقین منظر دیکھ کر وہیں رک گیا۔ راحل کی ہنسی کو فوراً بریک لگ گئے اور چہرہ پہلے کی طرح دوبارہ سنجیدہ ہو گیا۔ بلکہ اب تو پیشانی پہ دو تین بل بھی بڑے واضح نظر آرہے تھے۔

☼ ☼ ☼

ساتھ والے گاؤں میں زبیدہ بیگم کی سہیلی کی موت ہو گئی تھی۔ تمام عورتیں زبیدہ بیگم سمیت صبح سویرے ہی چلی گئی تھیں۔ رضوانہ اپنی خالہ کے گھر گئی ہوئی تھی۔ گھر میں عاکفہ، راشو اور راحل ہی تھی یا پھر منو۔ وہ بھی آزادی پاتے ہی باہر کھیلنے نکل گیا۔

عاکفہ نے جلدی جلدی تمام کام نمٹائے اور سونے چلی گئی۔ اسے ویسے بھی بہت نیند آتی تھی۔ رہ گئی راشو تو وہ حسب عادت چوزوں کی دلداری میں مگن تھی۔ راحل غسل خانے میں نہا رہی تھی۔ اس نے خوب رگڑ رگڑ کر جھانویں سے ہاتھ پاؤں صاف کیے۔

گیلے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ بال بڑھ گئے ہیں۔ ساڑھے چار ماہ پہلے اس نے کٹنگ کرائی تھی "سارے ہیئر اسٹائل کی سیٹنگ ہی بگڑ گئی۔" وہ غور سے آئینے میں گہرے براؤن بالوں کی بڑھی ہوئی لٹوں کو دیکھ رہی تھی۔ جبکہ راشو کا خیال تھا کہ اب بڑھے ہوئے بالوں کے ساتھ وہ پہلے سے زیادہ اچھی لگنے لگی ہے۔ پیچھے کی طرف سمٹے بال واقعی اس کے چہرے پہ بہت اچھے لگ رہے تھے۔

"بہرحال شہر گئی تو کٹنگ کروا لوں گی۔" وہ اپنے عکس سے مخاطب ہوئی۔

عاکفہ اور راشو دونوں کب کی سو چکی تھیں۔ اسے ان کی گہری نیند پہ رشک سا آیا۔ ایک اس کی لاڈلی نیند تھی منتوں سے پلکوں پہ بسیرا کرتی۔ وہ برآمدے میں آکر بیٹھ گئی۔

رات سے پہلے پہلے کسی کے آنے کا امکان نہیں تھا۔

تیز گرم دھوپ چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے جوتے اتار دیے راشو کی مرغی چوزوں کو پروں میں چھپائے جامن کے درخت کے نیچے بیٹھی تھی۔ نیچی دیوار سے پرے اونچے اونچے درختوں کے پتے بالکل ساکت تھے ہوا بند تھی۔ صبح عاکفہ نے بڑے وثوق سے آندھی کے ساتھ بارش کی پیشن گوئی کی تھی۔ آندھی آتی تو لڑکیوں کے کام بھی بڑھ جاتے۔ کھلا گھر ہونے کے باعث کمرے اور صحن گرد و مٹی سمیت پتوں سے اٹ جاتے۔ صحن اور برآمدہ راشو صاف کرتی تھی۔ صفائی کے وقت اس کا غصہ دیدنی ہوتا۔ جھٹک جھٹک کر جھاڑو اینٹوں پہ مارتی اور دبی زبان سے اس کی بڑبڑاہٹ الگ جاری رہتی۔ وقتاً فوقتاً آسمان کی طرف سر اٹھا کر اللہ سے شکوہ کرنا نہ بھولتی۔ عاکفہ اور رضوانہ کی ہنسی اس کے زخموں پہ نمک چھڑکنے کے مترادف ہوتی۔

ایک بار ایسی ہی حالت میں جب وہ صحن سے آندھی کا پھیلاوا سمیٹتے سمیٹتے بھوت بنی ہوئی تھی۔ اچانک اس کا منگیتر اجمل آدھمکا۔ مارے شرمندگی کے راشو صاحبہ نے جو دوڑ لگائی تو سیدھی اپنے کمرے میں آکر رکی۔ اجمل حیران کہ اس اجنبی لڑکی کو کیا ہو گیا ہے جو یوں بھاگی ہے بعد میں پتہ چلا کہ یہ تو راشو تھی۔

اجمل کو اس دن اس نے پہلی بار دیکھا تھا مگر یہ دیکھنا نہ دیکھنے کے برابر تھا۔ جس پہ اس کا خوب ریکارڈ لگا۔ رضوانہ نے راشو کو چھیڑ چھیڑ کر روہانسا کر دیا تھا۔

ہاں کوشش کے باوجود کسی کو بھی ابھی تک راحل سے چھیڑ چھاڑ کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ عاکفہ اور نورین کی زبان میں کھجلی سی ہوتی رہتی۔ راحل کی بیزار صورت دیکھ کر وہ تمام شوخیوں کا گلا گھونٹ دیتیں۔

جرار سے نورین کی بہت بے تکلفی تھی اس کے ساتھ گپ شپ اور راحل کے حوالے سے شرارتوں کا سلسلہ چلتا رہتا۔ مستقبل کے حوالے سے جرار کے عزائم خاصے خوفناک تھے۔ وہ اکثر نورین سے اظہار بھی کرتا رہتا۔ راحل لاعلم تھی اور جرار کے خیال میں اس کا فی الحال لاعلم رہنا ہی بہتر تھا۔

چار سال بعد جرار کے خیالات میں زمین آسمان کا فرق آچکا تھا۔ یہ فرق اس کے رویے سے بھی بخوبی محسوس ہوتا۔ رہی راحل تو اس کے دل کا حال وہ خود یا اوپر والا ہی بہتر جانتا تھا۔

وہ آسانی سے کھلنے والی لڑکی نہیں تھی اس کی خاموشی میں سو بھید چھپے ہوئے تھے۔ پہلی بار نورین اور ایوب کی شادی میں آئی تو تمام وقت اس کے چہرے پہ بیزاری چھائی رہی۔ اس کی کسی ادا سے اس بات کا اظہار نہیں ہو رہا تھا کہ اس گھر کے مکینوں کے ساتھ اس کا کتنا پائیدار رشتہ قائم ہوچکا ہے۔ عابدہ چچی اس سے زیادہ نک چڑھی ثابت ہوئیں اور اسی شام ایوب کے ولیمے سے فارغ ہوتے ہی واپس چلی گئیں۔ حالانکہ زبیدہ اور مسرت بیگم نے راحل کو کچھ دنوں کے لیے یہیں چھوڑنے کے لئے ان کی کتنی منتیں کیں۔ عابدہ نے صفائی سے ساری بات راحل کے سر ڈال دی۔

"میری بیٹی ایک روز میں ہی مرجھا کر رہ گئی ہے۔ کتنی مٹی ہے یہاں' راحل کو ڈسٹ الرجی ہے۔ ڈاکٹر نے سخت احتیاط کی تاکید کی ہے پھر بھی اس کی مرضی ہے اگر یہاں رکنے کو اس کا دل چاہتا ہے تو شوق سے رہے۔ مگر یہاں نہ اے سی ہے نہ روم کولر یہ اپنے بیڈ روم میں ہی سونا پسند کرتی ہے۔ پتہ ہے اس کے ڈیڈی نے پچھلے مہینے صرف اس کے لیے نیا بیڈ روم سیٹ لیا ہے' یہ منرل واٹر پیتی ہے۔ سچ پوچھیں تو یہاں کے پانی سے مجھے بھی بو آتی ہے۔"

عابدہ کے ایک ایک لفظ سے غرور اور گھمنڈ کا اظہار ہو رہا تھا۔

جرار نے کہا تو کچھ نہیں مگر اس کی سرخ آنکھوں سے بخوبی اس کی اندرونی کیفیت عیاں ہو رہی تھی۔

"چچی جان! واپسی کی فکر کریں' آپ کو دیر ہو رہی ہے۔"

راحل کو آج بھی جرار کا یہ شعلوں میں لپٹا جملہ یاد تھا۔ اس نے کئی بار یہ لفظ دہرائے تھے اور جب بھی وہ دہراتی اس کی پیشانی کی دو لکیریں گہری ہوجاتیں۔ ہتک کا احساس شدید تر ہوتا جاتا۔

❋ ❋ ❋

زبیدہ اور ارسلان صاحب کے چار بیٹے تھے۔ ان میں سے تیسرے نمبر والا ایاز بے پناہ ذہین اور محنتی تھے۔ وہ تعلیمی میدان میں ہمیشہ نمایاں رہے۔ انیس سال کی عمر میں اپنی پھوپھی زاد امینہ سے ان کی شادی ہوئی۔ دو سال بعد چار ماہ کی راحل ہمیشہ کے لیے ماں کی ممتا سے محروم ہوگئی۔ یرقان کے مرض نے بگڑتے بگڑتے لاعلاج شکل اختیار کرکے امینہ کو موت کی ابدی نیند سلادیا۔

ایاز' راحل کو گاؤں چھوڑ کر شہر چلا آئے اور تعلیمی سلسلہ پھر سے شروع کردیا۔ یہیں یونیورسٹی میں ان کی ملاقات عابدہ زمان سے ہوئی۔ عابدہ کے خاندان کا پس منظر سیاسی تھا۔ ان کے باپ دادا برس ہا برس سے سیاست کے میدان میں سرگرم عمل تھے۔

عابدہ کو دیہاتی مزاج رکھنے والا خوبرو اور مخلص ایاز بہت اچھے لگے۔ ان کی قسمت کے ستاروں میں ملاپ لکھا تھا' ورنہ اپنے اپنے خاندانی پس منظر کے لحاظ سے ان کا ملن تقریباً ناممکن تھا۔ ایاز زمیندارانہ دیہاتی ماحول میں پلے بڑھے تھے۔ کھاتے پیتے خاندان سے تعلق تھا مگر احمد زمان کے گھر کی طرح ان کے یہاں پیسے کی ریل پیل نہیں تھی۔

ایاز کو نہیں پتا تھا کہ اپنے گھر والوں کو منانے کے لیے عابدہ کو کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے' البتہ یونیورسٹی سے فراغت پانے کے بعد ان دونوں کی شادی ہوگئی۔ احمد زمان کی تمام شرائط ایاز نے بخوشی مان لیں۔ ان میں

ایک یہ تھی کہ ایاز' عابدہ کو اپنے سسرال یعنی گاؤں میں رہنے پر مجبور نہیں کریں گے اور عابدہ کے بطن سے جو اولاد ہوگی' اس کے معاملے میں ہر فیصلہ کرنے کا اختیار صرف عابدہ کو ہوگا۔

ایاز کو شہری رنگینیوں کا چسکا پڑ چکا تھا پھر عابدہ نے بھی اپنی طرف سے لگام ڈھیلی نہیں ہونے دی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایاز دن بدن ایک سعادت مند شوہر کے روپ میں ڈھلتے گئے۔ احمد زمان کی ماربل فیکٹری میں ان کے بھی شیئرز تھے۔ ایاز بہت تیزی سے ترقی کے مراحل طے کرتے رہے۔

شادی کے فوراً بعد انہوں نے راحل کو بھی گاؤں سے بلوالیا۔ عابدہ کا رویہ اس کے ساتھ معقول ہی تھا۔ سسر کے کہنے پر ایاز نے سیاست میں بھی دلچسپی لینا شروع کردی۔ پیسہ کمانے کی دھن میں انہوں نے حلال و حرام کا فرق بھی فراموش کردیا تھا۔ مہینوں بعد وہ کھڑے کھڑے گاؤں جاتے۔

عابدہ کو ڈاکٹری معائنے کے بعد اس روح فرسا حقیقت کا پتا چلا کہ وہ کبھی بھی ماں نہیں بن سکتیں۔ اس انکشاف کے بعد وہ ایاز کے بارے میں کافی حساس ہوگئیں اور خوامخواہ اس پر شک کرنے لگیں۔ ایاز نے بھی روز روز کی بک بک سے تنگ آکر ریشمی زلفوں میں پناہ ڈھونڈ لی۔ احمد زمان بیٹی کا دکھ برداشت نہیں کرسکتے تھے' پر تلملانے کے سوا کچھ نہ کرسکتے تھے کیونکہ ایاز اب عروج کی اس منزل پر تھے جہاں سے انہیں صرف شکست دینے کا سوچا ہی جاسکتا تھا۔

راحل اس عرصے میں جوان ہوچکی تھی اور زبیدہ بیگم کی خواہش تھی کہ وہ ان کے پوتے جرار کی دلہن بنے۔ ارسلان صاحب اس وقت حیات تھے۔ ایاز سے ان کی خواہش ٹالی نہیں گئی۔ سینئر کیمبرج کے امتحانات سے فراغت کے بعد راحل کا نکاح جرار سے ہوگیا۔

عابدہ کو یوں لگا کہ اس کے ہاتھ سے وہ مہرہ نکل گیا ہے جس کی بنیاد پر وہ ایاز کو شکست سے دوچار کرسکتی ہیں کیونکہ انہوں نے راحل کے بارے میں یہ سوچ رکھا تھا کہ وہ اپنے بھائی کے بیٹے سے اس کی شادی کریں گی تاکہ باقی ماندہ عمر بھی ایاز اس کے سامنے سرنگوں رہیں۔

باپ کی آخری عمر میں ایاز کے خون نے جوش مارا اور انہیں اپنے رویّے کی بدصورتی کا احساس ہوا جس کی تلافی کی انہوں نے بھرپور کوشش کی۔ وہ مقبولیت کی انتہا پہ تھے۔ فلم انڈسٹری کی صف اول کی اداکارہ کے ساتھ ان کا رنگین اسکینڈل چٹپٹی سرخیوں کے ساتھ ہر اخبار کی زینت بنا ہوا تھا جس پر عابدہ کا سیخ پا ہونا لازمی تھا۔ ان کے تعلقات تباہی کی آخری دہلیز پر تھے۔ حکومت تبدیل ہوئی تو ایاز کے ستارے بھی گردش میں آگئے۔ انہوں نے ملک سے فرار ہونے کی کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ وہ جو کام کرتے انتہا ہی ہوتا۔ ہر طرف سے تباہی نے گھیر لیا تھا۔ سیاہ دنوں کا آغاز ہوچکا تھا۔ اب وہ احتساب بیورو کی کسٹڈی میں تھے۔ کسی کو بھی ان سے ملنے کی اجازت نہیں تھی اور توقع یہی تھی کہ جب تک ایاز اپنے اثاثوں اور جائیداد کی تفصیل ٹھیک ٹھیک نہیں بتاتے تب تک ان کی رہائی ناممکن ہے۔ اندرون ملک ان کے تمام بینک اکاؤنٹس منجمد کردیے گئے' ان کی رہائش گاہ پہ کسی کو بھی جانے کی اجازت نہیں تھی۔

اس موقعہ پر عابدہ نے گھر کے بھیدی کا کردار ادا کیا اور بڑھ بڑھ کر ایاز کے خلاف بیان بازی کی۔ وہ گھر چھوڑ کر باپ کے پاس چلی گئی تھیں۔ راحل کو تایا اکمل گاؤں لے آئے۔ اس کے لیے تمام افراد اور یہ ماحول سراسر اجنبی تھا۔ اچھے دنوں میں ایاز ایک آدھ بار اسے گاؤں اس کے ددھیال میں ہی لائے تھے پھر عابدہ کی ناگوار باتوں کا بھی ذہن پہ غلبہ تھا۔ وہ کسی طرح بھی ایڈجسٹ نہیں ہو پارہی تھی پھر اسے اپنے ڈیڈی کی طرف سے جو پریشانی تھی وہ کسی کے ساتھ شیئر کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ اس وجہ سے بھی شرمندگی تھی کہ سب اس کے ڈیڈی کے بارے میں کیا کیا باتیں کرتے ہوں گے۔ ان کی رنگین مزاجی کسی سے ڈھکی چھپی تو نہیں تھی۔ عابدہ سے شادی کے بعد ایاز کی محبت بھی

www.paksociety.com

شاید مر گئی تھی۔ کیونکہ آتے تو ان کے ہر ہر انداز سے غیرت جھلکتی۔ انہوں نے باپ اور بھائیوں کو شہر بلوانے کی کئی بار کوشش کی تاکہ وہ یہیں مستقل ہو جائیں۔ پر کسی کی انا کو یہ گوارا نہیں تھا۔

ایاز نے جرار سے راحل کے نکاح کے بعد اسے اپنی فیکٹری کے تمام امور سنبھالنے کی پیش کش کی تھی جو اس نے دو ٹوک انداز میں ٹھکرا دی۔ اس کے پاس انجینئرنگ کی ڈگری تھی مگر سفارش کی عدم موجودگی کی وجہ سے اس کی بات نہیں بنی مشکل تھی۔ اگر وہ ایاز کی بات مان لیتا تو ایک سے ایک اچھی کمپنی میں اسے نوکری مل سکتی تھی مگر وہ اپنے زور بازو سے آگے بڑھنے کا متمنی تھا۔ فی الحال اس نے اپنی زمینوں کا انتظام سنبھال رکھا تھا۔

عابدہ، راحل کے سامنے جرار کو کئی بار "کسان" کہہ کر اس کا مذاق اڑا چکی تھیں۔

جرار، چچا کے گھر کم کم ہی جاتا، جب سے انہیں یہ پتا چلا تھا کہ جرار انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر رہا ہے تو ایاز کو بے حد خوشی ہوئی۔ انہوں نے اس کی ہر ممکن مدد کا وعدہ کیا۔ ایاز کو یقین تھا کہ جرار بہت آگے جائے گا۔ نکاح کے بعد جب اس نے ان کی ہر آفر کو ٹھکرا دیا تو غصہ آنے کے ساتھ ساتھ انہیں اس پر فخر سا بھی ہوا کہ وہ بیساکھیوں کے سہارے آگے بڑھنے کا خواہاں نہیں ہے۔

وہ پہلے بھی کام کے علاوہ چچا کے گھر نہیں جاتا تھا۔ اب راحل سے نکاح کے بعد بھی اس کا سابقہ معمول برقرار تھا۔ عابدہ چچی کا روکھا پھیکا رویہ اسے بہت کچھ سمجھانے کو کافی تھا اور راحل کے منہ میں تو جیسے زبان ہی نہیں تھی۔

اس روز بھی وہ ایوب بھائی کی شادی کا دعوت نامہ دینے آیا تھا۔ اس کے ساتھ اماں اور دادی بھی تھیں۔

ڈرائنگ روم میں راحل اپنی دوستوں کے ساتھ خوش گپیاں کر رہی تھی۔ ان سب کو دیکھتے ہی اس کے مسکراتے لب ساکت ہو گئے اور وہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔ عابدہ بیگم نے اوپری دل سے انہیں خوش آمدید کہا۔

کولڈ ڈرنکس سرو کرنے کے بعد عابدہ ڈرائنگ روم سے نکل گئیں۔ وہ تینوں پون گھنٹے تک بیٹھے رہے اور میزبان غائب رہے۔

جرار تنگ آکر باہر آگیا۔ کوریڈور کے آخر میں بنے کمرے سے باتوں کی آواز آرہی تھی۔ یہ راحل کا کمرہ تھا۔ وہ دوستوں کو ڈرائنگ روم سے اٹھا کر یہاں لے آئی تھی۔ عابدہ بیگم کی بھی آواز آرہی تھی۔

"توبہ توبہ اتنی بدبو، اوپر سے نو نو گز کی چادریں لپیٹ رکھی ہیں۔ جرار کو دیکھا، پسینے سے سارے کپڑے بھیگ رہے تھے۔ یہ نہیں کہ کوئی پرفیوم ہی اسپرے کر لیتا۔ کیسے ان گندے سندے لوگوں کے ساتھ تمہارا گزارا ہوگا۔ ایک دم پینڈو ہیں۔ تمہارے ڈیڈی کو بہت جلد اپنی غلطی کا احساس ہوگا۔ اچھا میں اب ڈرائنگ روم میں چلتی ہوں۔ ندیدوں کی طرح کولڈ ڈرنکس پیتے چھوڑ آئی تھی تمہارے سسرالیوں کو۔" انہوں نے "سسرالیوں" کو خاصا کھینچ کر ادا کیا۔

جرار کو وہاں کھڑے رہنا دشوار ہو گیا۔

اس نے اسی وقت دادی اور اماں کو ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ کولڈ ڈرنکس کے تینوں گلاس بھرے کے بھرے یونہی پڑے تھے۔ وہ پہلے ہی سادہ پانی سے اپنی پیاس بجھا چکے تھے۔

جرار نے سارا غصہ گھر آکر اتارا۔

"میں کسی صورت بھی راحل کے ساتھ شادی نہیں کروں گا۔ مجھے ایسی مغرور لڑکی کو اپنانے کا شوق نہیں ہے۔ ساری عمر کے لیے عذاب گلے میں ڈال لوں۔"

"ہاں ہاں، قبر میں بھی اپنے دادا کو چین نہ لینے دینا۔ میرے سر میں آخری عمر میں خاک ڈلوانا۔" زبیدہ بیگم منہ پہ دوپٹہ رکھ کر رونے لگیں۔

"سارا قصور عابدہ کا ہے، ورنہ راحل تو بہت معصوم ہے۔" یہ مسرت تھیں راحل کی حمایت پر کمربستہ۔

جرار دروازے کو ٹھوکر مارتا باہر نکل گیا۔

اس واقعے کے بعد وہ ایاز چچا کے گھر گیا تو اس کا رویہ بدلا ہوا تھا۔ عابدہ بیگم کو اس نے مارے باندھے سلام

تک کھانے کی میز انواع و اقسام کی ڈشز اور نعمتوں سے سجی ہوئی تھی۔ کھانے پر ایاز بھی موجود تھے۔ جرار نے کھانے سے معذرت کر لی۔

انتہائی اکھڑا اکھڑا سا سرد سا رویہ۔ بیگانہ سے تیور اور ہر انداز سے جھلکتی "میں کا غرور" راحل کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اسی شام وہ "ایاز ولا" سے نکل کر اپنے دوست کے پاس آگیا اور رات وہیں بسر کی۔

پھر ایاز کے دن پلٹے وہ عرش سے فرش پہ آگرے۔ عابدہ چھوڑ کر چلی گئیں۔ انہوں نے سوکھے منہ راحل سے نہیں پوچھا کہ تم کہاں اور کیسے رہو گی۔ اس موقعہ پر بابا اکمل اور تائی مسرت نے ہی اس کی دلجوئی کی اور ایاز کی دل گیر لہجے میں کی جانے والی درخواست رد نہ کر سکے۔ ان میں ایسا کرنے کی ہمت ہی نہیں تھی۔

راحل ان کے ساتھ گاؤں آگئی۔

❊ ❊ ❊

رات کا جانے کون سا پہر تھا۔ جب اس کی آنکھ کھلی۔ پنکھا بند تھا اور باہر زور زور سے بادل گرج رہے تھے۔ راحل کا پورا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا۔ معمول کے مطابق بجلی غائب ہو چکی تھی۔

گھٹن اور گرمی سے اس کی حالت غیر ہو گئی۔ بادلوں کی خوفناک گڑگڑاہٹ سے اس کا دل اکیلے کمرے میں سہما جا رہا تھا۔

راحل نے اٹھ کر کھڑکیاں اور دروازہ کھول دیا۔ کارنس پہ موم بتی اور ماچس پہلے سے پڑی ہوئی تھی۔ اس نے جونہی جلائی ہوا کے زور سے وہ اسی وقت بجھ گئی۔

اس نے کہنیاں کھڑکی سے ٹکا کر باہر نیچے صحن میں جھانکا۔ آج سب اندر کمروں میں سوئے ہوئے تھے۔ اگست کے مہینے میں ہونے والی بارشوں کی وجہ سے ایسا ہوا تھا، پھر آدھی رات کو مشکل ہوتی اور چارپائیاں اندر کرنی پڑتیں، اس لیے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی بستر کمروں میں لگا دیے گئے تھے۔

راحل کو جو کمرا ملا تھا، وہ اوپری منزل پہ تھا۔ کھڑکی میں کھڑے ہو کر ارد گرد کا نظارہ بخوبی کیا جا سکتا تھا۔ باقی سب مزے سے محو خواب تھے۔ ایک اسے ہی نیند نہیں آرہی تھی۔

دیوار کے پار اس کی نظر سامنے باغ میں بنے کمرہ نما جھونپڑی کی طرف اٹھ گئی جو رہ رہ کر چمک اٹھنے والی بجلی میں بڑی پراسرار معلوم ہو رہی تھی۔ وہ غور سے دیکھنے لگی۔ اچانک یوں لگا جیسے اس کمرے میں کسی نے دیا سلائی جلائی ہو۔ پہلے اسے شک سا ہوا مگر جب تین بار مسلسل دیا سلائی جلا کر بجھائی گئی تو اس کا شک یقین میں بدل گیا۔

"بھلا اس وقت وہاں کون ہے؟" اس نے خود کلامی کی اور ایک بار پھر اس طرف دیکھنے لگی۔ ذہن میں کوئی بات چبھ رہی تھی۔ اسے ابن صفی، مظہر کلیم اور اشتیاق احمد کے جاسوسی ناول یاد آنے لگے۔

"ہو نہ ہو دیا سلائی تین بار جلا کر کسی کو سگنل دیا گیا ہے اور یہ بے سبب نہیں ہے۔" وہ پورے وثوق سے خود سے بولی۔

اسی وقت بجلی چمکی تو اسے کمرے کے دروازے پہ کوئی کھڑا نظر آیا تو مارے ہیجان کے اس کی سانس بے قابو ہو گئی۔

اس وقت اس کا سارا خوف دبے دبے تجسس اور بہادری میں بدل گیا۔ جب اس نے کمرے کا دروازہ کھول کر نیچے اترنے کے لئے زینے پہ قدم رکھا تو اس کے پورے جسم میں جوش سا بھرا ہوا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ کچھ دریافت کرنے جا رہی ہے۔ ذہن انجام و عواقب سے یکسر بے نیاز ہو چکا تھا۔

موٹی موٹی بوندیں پیاسی دھرتی کا سینہ سیراب کرنے لگیں۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی رکھوالی والے کمرے کے عین سامنے پہنچ گئی۔

اسی وقت اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد سنسناہٹ دوڑنے لگی۔ اپنی ساری بہادری احمقانہ فعل محسوس ہونے لگی۔ لمبے لمبے گھنے درختوں کے بیچ وہ کمرہ بے حد خوفناک لگ رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ واپسی کا فیصلہ کر کے مڑتی، وہ

...کھلے دروازے سے آہنی پائدان کو ... دبوچ کر ... پرجوش تھی۔ ... گرفت بہت جارحانہ ... اندر ... کھٹی کھٹی آواز میں راحل حواس ... قفل ہونے لگے ... اس کے منہ سے چند الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے۔

"مجھے چھوڑ دو ... چھوڑ دو۔ کون ہو تم؟" اس کے یہ الفاظ کہنے کی دیر تھی، وہ جو کوئی بھی تھا، اسے چھوڑ کر ایک طرف اندھا دھند بھاگ کھڑا ہوا۔

تب راحل ساری برداشت کھو بیٹھی، اس کے منہ سے ہذیانی چیخیں نکل رہی تھیں اور بھاگتے قدموں کی آواز دور معدوم ہوتی جا رہی تھی۔

برستی بارش میں سب بیدار ہو گئے۔ راحل کی چیخیں دم توڑتی جا رہی تھیں۔ اس تک سب سے پہلے پہنچنے والے ایوب، جرار اور اکمل تھے۔ عورتیں الگ سہمی ہوئی تھیں۔ راحل بے ہوش کچی کوٹھڑی کے فرش۔ دروازے کے پاس پڑی ہوئی تھی۔ ایوب بھائی اسے اٹھا کر اندر رہائشی حصے میں لے آئے۔

جرار ٹارچ لے کر آگے جنگل میں نکل گیا۔ کچھ خیال آتے ہی وہ دوبارہ واپس مڑا، جہاں چند لمحے پیشتر راحل پڑی ہوئی تھی۔

ٹارچ کی روشنی میں اس نے ایک ایک کونے کا جائزہ لیا۔ فرش پر چند تیلیاں اور سگریٹ کے ادھ جلے ٹوٹے بکھرے تھے۔

تکیے پہ دھلا غلاف چڑھا ہوا تھا اور جھلنگا چارپائی پر نئی چادر بچھی نظر آ رہی تھی۔ فی الوقت وہ کسی فیصلے پر بھی پہنچنے کی کیفیت میں نہیں تھا۔ راحل کی رات کے آخری پہر یہاں موجودگی کسی معمے سے کم نہیں تھی۔ وہ کمزور دل کی لڑکی یہاں کیوں آئی تھی اس موسم میں۔

پھر راحل کے گریبان کے اوپری دو ٹوٹے بٹن بے ترتیب قمیص۔ سوچتے سوچتے اسے یوں لگا جیسے اس کی رگوں میں خون کے بجائے آگ دوڑ رہی ہے۔ شاید اس کی نظر راحل کے ٹوٹے بٹن پہ ہرگز نہ پڑتی۔ اگر شام کو وہ اس کا بغور جائزہ نہ لے چکا ہوتا۔

چکن پر بڑے کلیے انگوری سوٹ اس نے شام کو پہلی بار پہنا تھا۔ قمیص پہ لگانے کے لیے میچنگ بٹن اس کی دوست نے اسے گفٹ کیے تھے۔ عاکفہ نے دیکھا تو بے ساختہ تعریف کی۔ جرار پاس ہی تھا، اس کی نگاہ بلا ارادہ راحل کی طرف اٹھی۔ انگوری قمیص کی فٹنگ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی اور اس پہ لگے بٹن بیچ بیچ قمیص کی رونق بڑھا رہے تھے اور قمیص والی کی بھی۔

جرار کی نگاہوں کی تپش کا راحل کو فوراً احساس ہوا اور اس نے جھینپ کر دوپٹہ درست کیا۔

اب بٹنوں کی بناوٹ اور خوبصورتی ایسی تھی کہ فوراً نگاہ میں آ جاتی تھی پھر ٹارچ بھی جرار نے پکڑ رکھی تھی۔ سب سے پہلے پنجوں کے بل بیٹھ کر اسی نے راحل کی سانسوں کی آمد و رفت محسوس کی تھی، تب اس نے دیکھا کہ وہ منفرد سے بٹن ٹوٹ کر قمیص سے نکلے ہوئے ہیں۔

کمرے میں سگریٹ اور ماچس کی تیلیوں کے علاوہ ایسی کوئی اور چیز نہیں تھی جو یہاں کسی کی موجودگی کو ثابت کرتی۔ سگریٹ تو وہ بھی پیتا تھا مگر ٹوٹے ٹکڑے اس کے سگریٹ کے برانڈ کے نہیں تھے۔

ہوش میں آنے کے بعد راحل کی نگاہ ایک جگہ ساکت تھی، سرخ سرخ آنکھیں۔ زبیدہ بیگم دہل کی گئیں۔ پھر اچانک اس نے رونا شروع کر دیا اور اول تا آخر تمام قصہ بتا دیا مگر کچھ باتیں وہ چاہتے ہوئے بھی نہ بتا سکی۔ دل ابھی تک قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ پتا نہیں وہاں کون تھا اور کیا کر رہا تھا مگر اس کی گرفت اور لمس ہرگز آسیبی نہیں تھی۔ وہ جیتا جاگتا انسان تھا پھر اس کی آواز سنتے ہی وہ بھاگ نکلا تھا۔ وگرنہ پہلے راحل کو اس کے ارادے نیک نہیں لگ رہے تھے۔ اس کا ایک مطلب تھا اور وہ مطلب کی تہہ تک پہنچتے ہی پریشان ہو گئی۔

ساری بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی۔ راحل کو یقیناً اس نے کسی اور کے دھوکے میں والہانہ انداز میں جکڑا تھا۔

اور وہ کوئی اور کون تھا، اسے اس سوال کا جواب اب تلاش کرنا تھا۔ ہراساں ہونے کے باوجود وہ اس احساس سے مطمئن تھی کہ وہ کسی ناگوار و ناخوشگوار صورتحال سے محفوظ رہی۔

اسے شرمندگی ہو رہی تھی۔ بھلا اپنے پاگل پن پہ۔ بھی آدھی رات کو اٹھ کر وہاں جانے کی کیا ضرورت تھی۔ جہاں دن میں بھی کوئی نہیں جاتا تھا۔ لڑکیاں تو اس طرف کا رخ کرتی ہی نہیں تھیں۔ اس کا سبب وہاں پیش آنے والے چند واقعات تھے۔ جو اسے رات کو زبیدہ اور رضوانہ کی زبانی پتا چلے۔

رضوانہ اس جگہ کے آسیبی مشہور ہونے سے پہلے وہاں روز رات کا کھانا کھا کر ٹہلنے نکل جاتی۔ اس کے ساتھ عاکفہ اور راشو بھی ہوتیں۔ اکثر وہ دوپہر کو بھی رکھوالی والے کمرے میں چلی جاتیں۔

اکلوتی کچی مٹی سے چاروں دیواروں کو لیپ کیا گیا تھا۔ چھت پہ گھاس پھونس اور مٹی ڈال کر موسم کے اثرات سے محفوظ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اوپر سے درختوں کی چھایا سایہ فگن رہتی جس کی بدولت یہ خاصا ٹھنڈا اور پرسکون محسوس ہوتا۔

کچھ عرصے سے یہ ناقابل استعمال تھا کیونکہ رکھوالی کے لیے آموں کے باغ کے پاس ہی ایک اور پختہ کمرہ تعمیر کروا دیا گیا تھا۔ فضل دین اب وہیں رہتا تھا۔

رضوانہ کا ہی آئیڈیا تھا کہ کام نمٹانے کے بعد یہاں آرام کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے اس نے چارپائی اور دیگر چیزیں بھی وہاں رکھ دیں۔ اب دوپہر کو وہ کسی کی مداخلت کے بغیر اپنے اپنے پسندیدہ مشاغل میں مصروف رہ سکتی تھیں۔

عاکفہ اپنا ریڈیو بھی وہیں لے آتی۔ رضوانہ کے پاس جرار کی کتابیں ہوتیں اور راشو کشیدہ کاری میں مگن ہو جاتی۔ یہ دو ڈھائی گھنٹے ان کے اپنے ہوتے، صرف اپنے۔ وہاں منٹ منٹ پہ کسی کی آواز نہیں آتی تھی، نہ کاموں کی ڈھنڈیا پڑتی۔ بمشکل دو ڈھائی ماہ اس معمول پہ کاربند ہوتے گزرے تھے، جب پہلی بار وہ عجیب واقعہ پیش آیا۔

راشو اور عاکفہ کھانے کے بعد حسب عادت نیچی دیوار پھلانگ کر اپنے گوشۂ عافیت میں داخل ہوئیں، جہاں حیرت ان کی منتظر تھی۔ کمرے کے عین درمیان میں تازہ تازہ لہو پھیلا تھا، پاس ہی کالے بکرے کا کٹا ہوا سر رکھا تھا۔ عاکفہ صدا کی بزدل چیخیں مارتی باہر بھاگی۔ اس کے پیچھے پیچھے ہذیانی انداز میں چیختی چلاتی راشو تھی۔

اس کے بعد اس سلسلے کی ایک اور کڑی سامنے آئی۔

اس کمرے میں گرم گرم قورمہ اور چکن پلاؤ رکھا پایا گیا جیسے ابھی ابھی کسی کے چولہے سے اتار کر رکھا ہو۔

اس کے بعد یہ جگہ آسیبی مشہور ہو گئی۔ زبیدہ بیگم نے سختی سے منع کر رکھا تھا کہ اس طرف کا رخ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لڑکیوں نے تو ان کی ہدایت پہ پورا پورا عمل کیا۔ پر جرار اور ایوب کسی کے علم میں لائے بغیر اس آسیب کا کھوج لگانے میں لگے رہے کہ جو قورمہ اور چکن پلاؤ رکھ گیا تھا۔

مگر اس آسیب کو نہ ان کے ہاتھ آنا تھا، نہ آیا۔ پر بعد میں بھی وہاں کچھ ایسی چیزیں اور نشانیاں ملتی رہیں جو سراسر اس آسیب کی کارستانی محسوس ہوتی تھیں۔ اب راحل کے ساتھ اس آسیب کا سامنا ہوا تھا۔ جرار کو غصہ آنا لازمی تھا، اس کے لیے راحل سے خود پوچھے بغیر کسی نتیجے پر پہنچنا ناممکن تھا۔ اس نے اس بارے میں راحل سے دو ٹوک بات کی تو وہ ٹکر ٹکر اس کی صورت دیکھنے لگی۔

"مجھے ایک بات بتاؤ، اسی میں فائدہ ہے تمہارا بھی اور ہم سب کا بھی۔" وہ پہلی بار آپ سے تم پہ آیا تھا جو راحل کو بہت اچھا لگا۔

اس نے جرار کی طرف دیکھے بغیر ذہن پہ زور دیتے ہوئے اس دن والے واقعات دہرانے شروع کیے۔

"پھر جونہی میں دروازے پر پہنچی کسی نے مجھے اندر....."

وہ بتاتے بتاتے جھجک گئی اور خاموش ہو کر زمین کو تکنے لگی۔ یہ موضوع اور بات ایسی تھی کہ وہ کھل کر جرار کے ساتھ شیئر نہیں کر سکتی تھی۔

"راحل! کچھ اور تو نہیں ہوا نا؟" جرار کے اس

ہمارے بیچ لائیں گے تو ایسا نہ ہو کہ وہ جن ہمیں
نقصان پہنچا دے۔"
زبیدہ بیگم پوری طرح عائشہ کے جن کے ٹرانس
میں تھیں۔
"میں نہیں مانتی ایسی باتوں کو۔ وہ نادیدہ جن مجھے کیا
نقصان پہنچا سکتا ہے۔ سب سے طاقت ور ذات ہماری
نگہبان ہے۔ اگر وہ نہ چاہے تو مجھے کوئی نقصان نہیں
پہنچا سکتا۔" راحل کا لہجہ قطعی اور دو ٹوک تھا۔
زبیدہ بیگم متفکر چہرے کے ساتھ دوبارہ عائشہ کے
پاس پہنچیں بلکہ عائشہ کے جن کے پاس۔ جو انہی سے سیوا
کروا رہا تھا۔ جن نے دیسی بھنی مرغی کی فرمائش کی تھی
جس کے ساتھ اصلی گھی میں تر تراتے پراٹھے بھی شامل
تھے۔
راشو نورین بھابھی کے ساتھ جلدی جلدی ہاتھ چلا
رہی تھی کیونکہ زبیدہ بیگم نے انہیں بتا دیا تھا کہ راحل
جن سے معافی مانگنے کے لیے راضی نہیں ہے۔ عائشہ
کے آنے والے جن نے وارننگ دی تھی کہ اب اگر وہ
باغ کی طرف گئی تو اس کی زندگی کی ضمانت نہیں ہے۔

❁ ❁ ❁

گیارہ برس پہلے عائشہ اس آنگن میں دلہن بن کر
اتری تھی۔ ایاز سے چھوٹے سراج کی دلہن۔ اٹھارہ کا
سن تھا۔ خوب صورتی و رعنائی ایسی کہ دیکھنے والے کی
نظر پلٹنا بھول جائے۔ چھریرا متناسب جسم، اچھی
اٹھان، چمپئی رنگت۔ وہ سچ مچ شہزادی لگتی تھی۔
مگر اس شہزادی کی قسمت شہزادیوں والی نہیں
تھی۔ سراج اپنے ہی گاؤں کی ایک اور لڑکی فوزیہ کو
چاہتا تھا۔ اس نے والدین کے دباؤ میں یتیم و یسیر خالہ
زاد سے شادی تو کر لی مگر دلی طور پر وہ عائشہ کو قبول نہ
کر سکا۔ مارے باندھے وہ صرف ڈیڑھ ماہ تک عائشہ کا
ساتھ نباہ سکا۔ اس کے بعد ایک رات وہ ایسا غائب ہوا
کہ آج تک اس کا پتا نہیں چلا۔ اس کے ساتھ فوزیہ
بھی غائب تھی۔ خیر جتنے منہ اتنی ہی باتیں تھیں۔ کوئی
کہتا وہ فوزیہ کے ساتھ ابو ظہبی چلا گیا ہے۔ کوئی کہتا،
ان دونوں نے محبت میں ناکام ہونے کے بعد خودکشی
کر لی۔
ارسلان صاحب اس وقت زندہ تھے، انہوں نے
سراج کو ڈھونڈ نکالنے کے لیے وہ سب کچھ کیا جو وہ
کر سکتے تھے یا جو ان کے بس میں تھا مگر اسے جانے
زمین کھا گئی تھی یا آسمان۔ فوزیہ کے جوان جہان بھائی
سراج کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ سب سے
بری اور قابل رحم حالت عائشہ کی تھی۔ ماں باپ پہلے
ہی نہیں تھے، اس دنیا میں غم جھیلنے کے لیے وہ اکیلی رہ
گئی تھی۔
خالو اور خالہ کی نیت نیک تھی۔ انہوں نے اسے
سہارا دینے کے لیے سراج سے اس کی شادی کی تھی۔
شادی کے دس ماہ بعد عائشہ نے منو کو جنم دیا تو یوں
لگا کہ جیسے اس کا غم اور بھی شدید تر ہو گیا ہے۔ وہ یہیں
رہ رہی تھی۔ اس گھر کے سوا ان کا کہیں اور ٹھکانہ بھی
تو نہ تھا۔ منو کو سب بے حد چاہتے تھے۔ عائشہ کی
اجڑی اجڑی دل گیر صورت دیکھ کر زبیدہ کا کلیجہ کٹتا۔
وہ اس وقت کو کوستیں جب انہوں نے عائشہ کو سراج
کی دلہن بنانے کے بارے میں سوچا تھا۔ اس کی زندگی
تو تباہ ہو کر رہ گئی تھی۔ سارا دن کولہو کے بیل کی طرح
کام میں جتی رہتی۔ کام کام اور بس کام۔
وحشت ناک سوچوں کے ہجوم سے اس کا دماغ
سلگنے لگتا تو وہ زور زور سے رونے لگتیں، ہاتھ پاؤں مڑ
جاتے، آواز بدل جاتی۔ اس عالم میں وہ اپنے جگر گوشے
منو سے بھی لاپروا ہو جاتی۔
یہیں سے عائشہ پر جن آنا شروع ہوا۔

❁ ❁ ❁

اکمل چچا کی بیٹی راشو کی شادی تھی۔ وہ تو دل سے چاہ
رہے تھے کہ ایاز کی رہائی کے بعد یہ فرض ادا ہو، مگر
سب کے سمجھانے بجھانے کے بعد وہ راشو کی شادی
کے لیے تیار ہو گئے کیونکہ اس کے منگیتر اجمل کو ایک
ماہ بعد سعودی عرب چلے جانا تھا، جہاں وہ نوکری کرتا
تھا۔
پھر جرار نے بھی انہیں بتایا کہ اب اگر اجمل یونہی
چلا گیا تو پانچ سال بعد لوٹے گا کیونکہ اس نے ایک نئی
کمپنی سے کانٹریکٹ سائن کر لیا تھا جو پانچ سال سے
پہلے چھٹی نہیں دیتی تھی۔ اتنے عرصے وہ بیٹی کو کیوں
بٹھائے رکھتے۔ جرار اس کے حق میں نہیں تھا۔
تائی مسرت، ایوب بھائی، جرار، نورین بھابھی اور
حسنات چچا سب مل جل کر راشو کے جہیز کی چیزیں خرید
رہے تھے۔
حسنات چچا اس موقع پر جانے کیوں آبدیدہ اور
تھکے تھکے نظر آنے لگے تھے۔ عاکفہ اور رضوانہ پہ
نظر پڑتی تو دل کا بوجھل پن کچھ اور بھی بڑھ جاتا۔
برسوں پہلے غزالہ جوان کی شریک حیات اور دکھ سکھ
کی ساتھی تھیں، طویل علالت کے بعد بستر پر پڑے
پڑے ہی زندگی سے ہار گئی تھیں۔ تب سے عاکفہ اور
رضوانہ کے بارے میں وہ بہت حساس ہو گئے تھے۔
ایک ہوک سی ان کے دل میں اٹھتی، اگر غزالہ
زندہ ہوتیں تو یقیناً دونوں بیٹیوں کو کہیں نہ کہیں
ٹھکانے لگا دیتیں۔ ان کے لیے اچھے رشتے ڈھونڈتیں۔
عاکفہ بیس سے اوپر اور رضوانہ اس سے تین برس
چھوٹی تھی۔ یہاں کے حساب سے وہ دونوں بہنیں آدھی
عمر کی ہو چکی تھیں اور ابھی تک ان کی قسمت نہیں
کھلی تھی۔
ان کی ہم عمر راشو بیاہی جا رہی تھی، راحل کا نکاح
ہو چکا تھا۔
نورین بھابھی خاندان سے باہر کی تھیں۔ اکمل کے
جاننے والوں کی بیٹی تھیں۔ کھاتے پیتے با اثر لوگ
تائی مسرت نے جھٹ رشتہ دے دیا یہ بھی نہ سوچا کہ
گھر میں دو دو لڑکیاں موجود ہیں۔
حسنات کا دکھ حد سے سوا ہو گیا۔ وہ اندر ہی اندر
گھل رہے تھے۔ عاکفہ احمق اور سادہ مزاج کی تھی،
رضوانہ حساس اور سمجھ دار تھی۔ ہر کام میں پیش
پیش، کبھی نہ تھکنے والی۔
بھلا ان دو بہنوں میں کیا کمی تھی جو ابھی تک ان کے
لیے کوئی رشتہ نہیں ملا تھا۔ دل میں انہیں بھائی سے شکوہ
تھا مگر زبان سے خاموش تھے۔ راشو کی شادی کی وجہ
سے گھر میں رونق اور ہنگامہ بپا تھا۔ لگتا تھا پورے
گاؤں کی لڑکیاں بالیاں ان کے گھر امنڈ آئی ہیں۔
مرد، عورتوں سے الگ مردانے میں تھے۔ درمیان
میں قناتیں لگا کر دونوں حصوں کو الگ کر دیا گیا۔ جگہ کی
کوئی کمی تو تھی نہیں جو زیادہ لوگوں کی موجودگی سے
مسئلہ ہوتا۔
راحل کے لیے زبیدہ بیگم نے روایتی گوٹہ کناری
لگے دو سوٹ بنوائے تھے۔ سبز اور پیلے رنگ میں جو
اسے ایک آنکھ نہیں بھائے مگر انہوں نے اتنی چاہت
اور مان سے سی کر اس کے حوالے کیے کہ وہ دل میں
شرمندہ سی ہو گئی۔
آخری تین دن سب کے ساتھ وہ بھی بازار جاتی
رہی اور اپنی پسند کے کپڑے لیے جو اکمل چچا نے
رضوانہ اور عاکفہ کے ساتھ اسے دلوائے۔ جرار نے
سب سے نظر بچا کر بڑی خوب صورت اور نازک سی
چوڑیاں لیں۔ اگر بھابھی نورین یا عاکفہ، رضوانہ دیکھ
لیتیں تو اس کا خوب ریکارڈ لگتا۔ خاص طور پر عاکفہ کو تو
کوئی بات راز میں رکھنی آتی ہی نہیں تھی۔ بیچ
چوراہے پر اپنی سادگی کے باعث بھانڈا پھوڑ دیتی۔
اس نے اگر ایسا کیا تھا تو کوئی ناجائز کام نہیں تھا۔
منکوحہ ہونے کے ناطے وہ ایسی چھوٹی موٹی چیزیں
چاہت کے اظہار کے لیے اسے تحفتاً دے سکتا تھا
مگر یہاں کا مزاج اس کی سوچوں کے برعکس تھا۔
اور اپنے جذبوں کی توہین اسے گوارا نہیں تھی۔
سب کے سامنے وہ راحل سے بات چیت بھی نہ
ہونے کے برابر کرتا۔
اجمل کے گھر والے روایتی دھوم دھڑکے سے
مہندی لائے۔ قطرہ قطرہ بھیگتی رات میں راشو کو رسم
کے لیے باہر سجی ہوئی کرسی کی طرف لایا گیا۔
ایوب بھائی ان یادگار لمحوں کو کیمرے میں مقید
کر رہے تھے۔ تائی مسرت نے راحل کو اوپری منزل
سے کوئی چیز لانے کے لیے بھیجا۔ سبز گوٹہ لگے کرتے
اور شلوار میں کام سے بھرا دوپٹہ اوڑھے وہ خود کو خاصا

جرار کا رویہ اس کے ساتھ دن بدن بدل رہا تھا ورنہ پہلے تو غرض کے بغیر وہ بات ہی نہیں کرتا تھا۔

راحل نے اس کی چوڑی پشت سے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنے کی ناکام کوشش کی اور خاموش ہو گئی پھر جرار نے بھی کوئی اور بات نہیں کی اور ریڈیو کا بٹن آن کر دیا۔

وہ آنکھیں بند کیے سیٹ کی بیک پر سر ٹکائے قدرے پرسکون ہوئی اور موسیقی سے لطف اندوز ہونے لگی۔

جرار نے اپنی خریداری مکمل کی تو راحل کا دل اپنا گھر دیکھنے کو مچل اٹھا۔

"چچا جان سے ملو گی؟" جرار کا سوال اچانک اور غیر متوقع تھا۔ حیرت کی زیادتی سے اس کی آنکھوں میں پانی سا آگیا۔

"کیوں نہیں میں کب سے ترس رہی ہوں۔"

"تمہیں ایک مصلحت کے تحت ہم نے ان سے دور رکھنے کے لیے غلط بیانی کی، مگر آج تمہاری حالت دیکھ کر میں مجبور ہو گیا کہ چچا جان سے تمہاری ملاقات کروا ہی دوں۔"

پھر راحل نے پورے ساڑھے چار ماہ بعد ڈیڈی کو دیکھا تو اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی۔ وہ اتنے کمزور اور زرد نظر آرہے تھے کہ جیسے وہ ایاز نہ ہوں، اس کا سایہ ہو۔ اسے اب اندازہ ہوا کہ سب اس سے کیوں جھوٹ بولتے رہے۔

ایاز کی تمام تر خامیوں کے باوجود بحیثیت بیٹی کے وہ انہیں ٹوٹ کر چاہتی تھی، صحت مند اور سرخ و سفید روشن آنکھوں والے ڈیڈی کو جو اپنی عمر سے کہیں کم نظر آتے تھے، اس حال میں دیکھنا اس کے لئے بے حد تکلیف دہ تھا۔

وہاں سے وہ بوجھل دل کے ساتھ لوٹی۔ جرار نے اسے واپسی پہ بتایا کہ چچا جان کو جلد ہی رہا کر دیا جائے گا۔ اس رہائی کے بدلے انہیں بہت بھاری جرمانہ ادا کرنا تھا۔ لے دے کر ان کے پاس اتنا بچتا کہ وہ نارمل سی زندگی گزار سکیں۔ حق حلال کی کمائی میں اتنی جائیداد اور فیکٹریاں بنانا دیوانے کا خواب ہی تھا۔ انہیں ان کی جائز کمائی ہی واپس مل رہی تھی۔

راحل بے حد دل گرفتہ نظر آرہی تھی۔ اس سے رات کا کھانا کھایا ہی نہیں گیا۔ نوالہ حلق سے اترنا دو بھر ہو گیا۔ کتنی عزت اور آن بان تھی اس کے ڈیڈی کی۔ بھلا وہ ڈیڈی کو ایک شکست خوردہ آدمی کے روپ میں کیسے دیکھ سکے گی۔

وہ ہمیشہ سر اٹھا کر بات کرنے کے عادی تھے۔ اب شکست خوردہ سے وہ لوگوں کی طنزیہ باتوں اور تمسخرانہ نظروں کا سامنا آسانی کے ساتھ کیسے کر سکیں گے۔

بادشاہوں جیسی زندگی تھی، بے شمار ملازمین، کروڑوں کی جائیداد، بینک بیلنس اور فیکٹریاں۔ جی حضوری کرنے والے ساتھی جو ہمیشہ ان کی ہاں میں ہاں ملاتے، جانے اب وہ سارے کہاں غائب ہو گئے تھے؟ دوستوں کی بھیڑ میں وہ اکیلے رہ گئے تھے۔ عابدہ پہلے ہی ساتھ چھوڑ کر اپنے باپ اور بھائیوں کے ساتھ مل کر ان کی زندگی کے سربستہ رازوں کو سرعام کھولنے میں لگی تھیں۔

ایاز اندر سے بالکل ٹوٹ پھوٹ چکے تھے جس کا اظہار ان کے زرد چہرے سے بخوبی ہو رہا تھا۔ انہوں نے فریب کاری اور گھپلوں کے ذریعے حاصل کی گئی تمام دولت کے بارے میں اعتراف کر لیا تھا۔ جس روز یہ خبر اپنے پورے متن کے ساتھ اخبارات میں شائع ہوئی، عوام میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ وہ کڑی سے کڑی سزا دینے کی بات کر رہے تھے۔ ان میں اکثریت ایاز کے مخالفین اور قریبی رفقاء کی تھی۔

عوام اور لوگوں کا کیا تھا، دل کی بھڑاس نکال کر انہیں خاموش ہو جانا تھا۔ یہ تو ایاز کے رازدار ساتھی تھے جنہوں نے شور مچا رکھا تھا۔

ایاز کو اپنا مستقبل صاف نظر آرہا تھا، بھیانک اور مہیب عفریت کی طرح منہ کھولے انہیں نگلنے کو تیار۔ ان کی ساری ہمت پہلے ہی جواب دے چکی تھی۔ اس عالم میں انہوں نے وہی کیا جو اکثر لوگ کرتے ہیں یعنی خودکشی کی کوشش۔ راحل کی خوش قسمتی تھی یا پھر ایاز

کی زندگی باقی تھی جو انہیں بچا لیا گیا، ورنہ انہوں نے خود کو ہلاک کرنے میں کوئی کسر نہ رکھ چھوڑی تھی۔

زبیدہ بیگم، تائی، تایا اور چچا اسے مسلسل تسلی اور دلاسے دے رہے تھے۔ پہلی بار راحل کو اپنی بیگانگی کے خول سے باہر آنا پڑا۔ اپنی ہتھیلی کی لکیروں کو بغور دیکھتے ہوئے وہ مسلسل کچھ سوچ رہی تھی۔ اس عالم میں زبیدہ بیگم کو اس پہ بڑا ترس آتا۔

پرآسائش ماحول اور پرتعیش زندگی گزارتے گزارتے اس کی قسمت اسے یہاں اس پس ماندہ، سہولیات سے محروم گاؤں میں لے آئی تھی۔ وہ شہری مزاج کی مہنگی درس گاہوں کی تعلیم یافتہ لڑکی تھی جس کی ہر خواہش بغیر کہے پوری کر دی جاتی تھی۔ اس کا پرس نوٹوں سے بھرا رہتا، وہ قیمتی گاڑیوں میں سفر کرتی، اعلا سے اعلا اور نفیس کپڑا استعمال کرتی۔ اب وہ یہاں مجبور پرندے کی مانند رہنے پہ مجبور تھی۔

مشکل یہ تھی کہ وہ کسی سے بھی دل کی بات نہیں کرتی تھی۔ ہر جذبے کا اظہار خاموش اور اجنبی نگاہوں سے کرتی۔ الفاظ کم سے کم ہی خرچ کرتی۔ راشو، رضوانہ اور عاکفہ بھی اس کے سرد رویے سے مایوس ہو کر پیچھے ہٹ چکی تھیں۔

جرار کو کبھی کبھی یوں لگتا جیسے وہ بند طلسمی دروازے کی مانند ہے، اپنی ذات میں گم، ہر ایک سے بے نیاز، دھیمے دھیمے دکھ میں جلتی سلگتی اس کی آنکھیں بھی تو کچھ ظاہر نہیں کرتی تھیں۔

جواباً وہ بھی جھنجلا اٹھتا۔

راحل کی کسی بات یا انداز سے یہ اظہار نہ ہوتا تھا کہ جرار اس کی زندگی میں کہیں ہے بھی یا نہیں۔

❊ ❊ ❊

موسم بدل رہا تھا۔ شدید گرمی کی جگہ خوشگوار سی ٹھنڈک نے لے لی تھی۔ اکتوبر کی ایک سہانی شام کو ایوب بھائی کے گھر ننھی سی پری وارد ہوئی۔ سچ مچ وہ واقعی ننھی منی سی پری لگ رہی تھی۔ نورین کے پہلو میں آنکھیں موندے گلابی ہونٹ باہم پیوست کیے گلابی چہرے پہ دنیا جہان کی معصومیت سمیٹے۔

راحل نے اس کے رخسار چھوئے اتنے نرم اور روئی کے گالے کی طرح نازک ریشمی ریشمی سے۔ اس کے ہاتھ میں گدگدی سی ہوئی اور اسے اس چھوٹی سی گڑیا کے رخسار چھو کر انجانی سی خوشی ہوئی۔

ہمیشہ کے سنجیدہ چہرے پہ مسکراہٹ تھی، وہ اس کے ساتھ لاڈ کر رہی تھی۔ یہ منظر ان سب کے لیے حیرت انگیز تھا۔ کم از کم جرار کے لیے تو ضرور تھا۔ رضوانہ، عاکفہ اور راشو تینوں راحل کے اوپر سے جھک کر باری باری اس گڑیا کے رخسار کو ہاتھ لگا لگا کر ایک مسرت انگیز لمس سے محظوظ ہو رہی تھیں۔

سب بے حد خوش تھے۔ عرصہ دراز سے یہ گھر بچوں کی آوازیں سننے کو ترس رہا تھا۔ ایوب بھائی نے نام رکھنے کی ذمہ داری راحل کے سر ڈالی تو اپنی اہمیت پہ وہ سچ مچ بہت خوش ہوئی۔ اسی وقت نام تجویز ہوا "مسکان"۔ مسکراتے چہرے والی اس بچی کے لیے یہ نام بہت موزوں تھا۔

نورین کی ساس آج خود اپنے ہاتھوں سے بہو کے لیے طاقت بخشنے والی غذا اور یخنی بنا رہی تھیں۔ راشو سمیت دوسری لڑکیوں کی بھی شامت آئی ہوئی تھی۔ راشو کی تو آج دو مرغیوں کی گردن پہ چھری پھری تھی پھر بھی وہ خوش لگ رہی تھی اور دوڑ دوڑ کر کام کر رہی تھی۔

جرار کو اسی وقت شہر دوڑایا گیا تاکہ مٹھائی لائی جاسکے۔ اس کے ساتھ ایوب بھائی اور فضل دین بھی تھے۔

❊ ❊ ❊

جرار بذاتِ خود پہلی بار اس کے پاس آیا تھا، وہ بھی دوستانہ تیور کے ساتھ۔ راحل چونک سی گئی۔

"تم فارغ ہونے کے بعد اس طرف آجانا، ضروری بات کرنی ہے۔" وہ یہ کہنے کے بعد رکا نہیں۔

وہ سوچوں میں ڈوب گئی۔ جانے کیا بات تھی جو جرار نے اسے بلایا تھا۔

گھنے درختوں کے سائے کے کافی ٹھنڈک تھی۔ دھوپ نہ ہونے کے باعث راحل کو کپکپی سی آ گئی۔ جرار ایک چوڑے درخت کے تنے سے ٹیک لگائے اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے پہنچ کر سوالیہ نگاہوں سے اسے تکنے لگی۔ جرار کے چہرے پہ چھائی سنجیدگی کچھ اور بھی گہری ہو گئی۔

"بیٹھو۔" اس نے گھاس کے فرش کی طرف اشارہ کیا تو وہ سحر زدہ معمول کی طرح آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

"راحل! جو بات میں تم سے کر رہا ہوں، اس کی بھنک بھی کسی کے کان میں نہیں پڑنی چاہیے۔ پہلے تم یہ وعدہ کرو کہ ہم دونوں کے بیچ جو باتیں ہوں گی وہ تم کسی کو بھی نہیں بتاؤ گی۔" جرار کا لہجہ معمول سے ہٹ کر گہرا تھا۔

وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی، کچھ توقف کے بعد اس نے کہا۔

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"کس معاملے میں اور پھر میں نہیں سمجھتی کہ آپ کو کبھی میری مدد کی بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

راحل نے نامحسوس انداز میں طنز کیا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔ ایک مبہم سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ ابھری اور دم توڑ گئی۔

"کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم گزرے ہوئے تلخ دنوں کو بھول جائیں۔ میرے قدم پیچھے ہٹانے کی وجہ عابدہ چچی کا توہین آمیز رویہ تھا۔"

"میرا تو اس میں کوئی قصور نہیں تھا نا۔"

"میں جانتا ہوں تم درست کہہ رہی ہو۔"

"مجھے آپ سب لوگ اچھے لگتے ہیں۔ یہاں کے مکینوں سے میرا خون کا رشتہ ہے مگر جب میں یہاں آئی تو یہ سب میرے لیے تقریباً اجنبی تھے اور آپ نے بھی حد کر دی جرار! مجھے کسی رفیق و مونس کی ضرورت تھی مگر آپ... آپ..."

راحل کا لہجہ بھر گیا۔ کچھ دیر بعد وہ خود ہی سنبھل گئی۔

"راحل! اب تمہیں میری طرف سے بیگانگی کی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ ویسے بھی آج کل ہم جس بحران سے گزر رہے ہیں، اس سے مل کر ہی نمٹا جا سکتا ہے مگر تم سے بھی میری درخواست ہے کہ تم یہاں گھلنے ملنے کی کوشش کرو، تمہارے رویے کی وجہ سے امی بری طرح ہرٹ ہوتی ہیں۔"

"اور آپ کی وجہ سے میں جو ہرٹ ہوئی ہوں، آپ میرے گھر آ کر مجھے نظرانداز کرتے رہے۔ آپ کو کیا پتا میری فرینڈز اس وجہ سے میرا کتنا مذاق اڑاتی رہیں، کتنی سبکی ہوئی میری۔" وہ نروٹھے پن سے بولی۔

"اب کوئی تمہارا مذاق نہیں اڑائے گا۔" جرار نے اس کے ہاتھ پر تسلی دینے والے انداز میں اپنا ہاتھ رکھا اور دلکش انداز میں ہنسا تو پہلی بار راحل اس کی موجودگی سے نروس ہو گئی۔ ارد گرد دور تک ان دونوں کے سوا کسی اور کے موجود ہونے کا امکان نہیں تھا۔ یہ احساس ہوتے ہی وہ جرار سے دور ہٹ کر بیٹھ گئی۔

چند لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے۔ راحل کو یہ خاموشی بڑی اچھی لگی۔ ہزار بھید اپنے اندر چھپائے جن میں سے ایک راز اس کی چاہت کا بھی تھا۔

جرار کی چاہت ساڑھے چار برس سے اس کے دل کے نہاں خانوں میں محفوظ تھی۔

مما جس طرح جرار کے بارے میں توہین آمیز باتیں کرتیں، کوشش کے باوجود انہیں منع نہ کر سکتی۔ وہ عابدہ کے زیرِ سایہ پروان چڑھی تھی، اس لیے ان سے دبتی بھی تھی اور اپنے ددھیال والوں سے بھی لیے دیے رہتی۔ ایوب بھائی کی شادی پہ اس کا دل چاہا کہ وہ بھی وہاں رکے مگر مما نے اپنے مخصوص حاکمانہ انداز میں اس کی خاموش درخواست کو ٹھکرا دیا۔

درحقیقت وہ بڑی شرمیلی اور اپنے خول میں بند رہنے والی لڑکی تھی۔ بہانگ دہل اپنے منہ سے کیسے کہتی کہ جرار! تمہاری بے رخی مجھے بڑا دکھ دیتی ہے۔"

گاؤں آنے کے بعد جرار کو تو موقع ملا تھا اپنے بدلے چکانے کا۔ سو وہ بھی اپنے آپ میں سمٹ گئی مگر آج وہ دونوں ایک دوسرے کے حالِ دل سے آگاہ ہو چکے تھے۔ وہ مطمئن سی تھی کہ جرار نے اسے اقرار کی

زحمت سے بچا لیا ہے۔ ... چاہت کا کھوج لگا لیا تھا۔ یہ احساس ہی کتنا خوبصورت اور سرشار کرنے والا تھا۔

جرار نے ہی ماحول پر چھائی خاموشی کو توڑا۔

"راحل! اب میں تم سے وہ بات کہنے جا رہا ہوں جس کے لیے میں نے تمہیں یہاں بلوایا ہے۔"

وہ جی جان سے متوجہ ہو گئی۔ "راحل! جس آسیب نے شور مچا رکھا ہے، ہمیں اس آسیب کی حقیقت تک پہنچنا ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ معاملہ جلد یا بدیر کوئی اور رخ اختیار کرنے والا ہے۔ مجھے تم اس کام کے لیے بہت موزوں لگی ہو پھر سمجھ دار بھی ہو۔" راحل خوشی سے پھول گئی۔

"خواتین میں کسی سے بھی اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس اس بارے میں جو کوئی بات بھی تمہارے مشاہدے میں آئے مجھے بتا دو۔"

"ٹھیک ہے، مگر آپ نے جو یہ کہا ہے کہ جلد یا بدیر یہ معاملہ کوئی اور رخ اختیار کرنے والا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟"

"میں خود ابھی الجھا ہوا ہوں، تمہیں کیا بتاؤں۔"

جرار پرسوچ انداز میں بولا۔

وہ پوری توجہ سے نظریں جمائے اس کے چوڑے شانے کو دیکھ رہی تھی۔ سورج مغرب کی طرف بڑی تیزی سے جھک رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی گھنے درختوں کے جھنڈ سے باہر آئی تو سرد فضا نے پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا مگر اس کے اندر کا موسم ایک ریشمی سی حرارت سے منور تھا۔ چاہے جانے کے احساس سے اس کا رواں رواں سرشار تھا۔

❊ ❊ ❊

عائشہ نے منو کو جلتے تنور میں پھینکنے کی کوشش کی۔ صد شکر کہ پاس ہی رضوانہ موجود تھی۔ اس نے فوراً ہی شور کرنا شروع کر دیا، آگے بڑھ کر چچی سے منو کو چھڑانے کی کوشش کی مگر حسب معمول ان کے اندر گویا کئی آدمیوں کی طاقت بیک وقت بھر چکی تھی۔

ایوب بھائی بمشکل تمام منو کو چھڑانے میں کامیاب ہوئے۔

بے چارا ننھا اور معصوم سا منو بری طرح ہراساں اور خوفزدہ ہونے کے بعد اب دادی کی آغوش میں منہ چھپائے رو رہا تھا۔

عائشہ آنکھیں بند کیے جھوم رہی تھیں۔ نورین بھابھی مسکان کو گود میں چھپائے ایک طرف بیٹھی تھیں کیونکہ عائشہ بار بار آنکھیں کھول کر سرخ انگارہ آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی راحل تھی۔

"تو میرے راستے میں مت آ، ماری جائے گی۔ پیچھا کرتی ہے۔ چلی جا یہاں سے، چلی جا۔ دور ہو جا ہماری نظروں سے۔" عائشہ کے منہ سے مخصوص کھرکھراتی مردانہ آواز نکلی۔ اس کا مخاطب راحل تھی۔

عائشہ چارپائی سے اتر کر راحل کی طرف بڑھنے لگیں۔ انداز ایسا تھا جیسے کچا چبا جائیں گی۔ وہ بھاگ کر اپنے کمرے میں آئی اور اندر سے کنڈی لگالی۔ باہر عائشہ دروازے پہ زور زور سے ہاتھ مار کر گالیاں بک رہی تھیں۔

ایوب بھائی مولوی صاحب کو لانے چلے گئے۔ جرار گھر پہ نہیں تھا۔ ایوب بھائی کے سوا اور کوئی مرد نہیں تھا۔ عجیب بات یہ تھی کہ عائشہ کو جن اسی وقت چڑھتا جب گھر پر مرد موجود نہیں ہوتے تھے۔

ایک دو بار جرار کی موجودگی میں ایسا ہوا تو اس نے چچی کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے کے لیے کہا۔ اس کی تجویز کو ہنسی میں اڑا دیا گیا تو تھک ہار کر اس نے یہ کہنا ہی چھوڑ دیا۔ جن نے آج تک کسی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا، پہلی بار راحل کو دھمکی ملی تھی جو خالی از علت نہیں تھی۔

زبیدہ بیگم، منو کو لے کر اس کے پاس آ گئیں اور سرگوشی میں بولیں۔ "جا کر جن سے معافی مانگ لو، اس طرح اس کا غصہ اتر جائے گا۔"

راحل تلخ سی ہو گئی۔ "دادی اماں! کس بات کی معافی مانگوں میں اس نادیدہ جن سے؟"

ہمارے بچی اتیجہ کرو بیانہ ہو کہ وہ جن جہیں نقصان پہنچادے" یہ طاقتور جن ہے۔" زبیدہ بیگم پوری طرح عائشہ کے جن کے ٹرانس میں تھیں۔

"میں نہیں مانتی ایسی باتوں کو۔ وہ نادیدہ جن مجھے کیا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ سب سے طاقت ور ذات باری تعالیٰ کی ہے۔ اگر وہ نہ چاہے تو مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" راحل کا لہجہ قطعی اور دو ٹوک تھا۔

زبیدہ بیگم متفکر چہرے کے ساتھ دوبارہ عائشہ کے پاس پہنچیں بلکہ عائشہ کے جن کے پاس جو اپنی سیوا کروا رہا تھا۔ جن نے دیسی بھنی مرغی کی فرمائش کی تھی جس کے ساتھ اصلی گھی میں تر تراتے پراٹھے بھی شامل تھے۔

راشو نورین بھابھی کے ساتھ جلدی جلدی ہاتھ چلا رہی تھی کیونکہ زبیدہ بیگم نے انہیں بتا دیا تھا کہ راحل جن سے معافی مانگنے کے لیے راضی نہیں ہے۔ عائشہ کے آنے والے جن نے وارننگ دی تھی کہ اب اگر وہ باغ کی طرف گئی تو اس کی زندگی کی ضمانت نہیں ہے۔

❁ ❁ ❁

گیارہ برس پہلے عائشہ اس آنگن میں دلہن بن کر اتری تھی۔ ایاز سے چھوٹے سراج کی دلہن۔ اٹھارہ کا سن تھا۔ خوبصورتی و رعنائی ایسی کہ دیکھنے والے کی نظر پلٹنا بھول جائے۔ چھریرا متناسب جسم، اچھی اٹھان، چمپئی رنگت۔ وہ سچ مچ شہزادی لگتی تھی۔

مگر اس شہزادی کی قسمت شہزادیوں والی نہیں تھی۔ سراج اپنے ہی گاؤں کی ایک اور لڑکی فوزیہ کو چاہتا تھا۔ اس نے والدین کے دباؤ میں یتیم و یسیر خالہ زاد سے شادی تو کرلی مگر دلی طور پر وہ عائشہ کو قبول نہ کرسکا۔ مارے باندھے وہ صرف ڈیڑھ ماہ تک عائشہ کا ساتھ نباہ سکا اس کے بعد ایک رات وہ ایسا غائب ہوا کہ آج تک اس کا پتا نہیں چلا۔ اس کے ساتھ فوزیہ بھی غائب تھی۔ خبر جتنے منہ اتنی ہی باتیں تھیں۔ کوئی کہتا وہ فوزیہ کے ساتھ ابوظہبی چلا گیا ہے۔ کوئی کہتا، ان دونوں نے محبت میں ناکام ہونے کے بعد خودکشی کرلی۔

ارسلان صاحب اس وقت زندہ تھے، انہوں نے سراج کو ڈھونڈ نکالنے کے لیے وہ سب کچھ کیا جو وہ کرسکتے تھے یا جو ان کے بس میں تھا مگر اسے جانے زمین کھا گئی تھی یا آسمان۔ فوزیہ کے جوان جہان بھائی، سراج کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ سب سے بری اور قابل رحم حالت عائشہ کی تھی۔ ماں باپ پہلے ہی نہیں تھے، اس دنیا میں غم جھیلنے کے لیے وہ اکیلی رہ گئی تھی۔

خالو اور خالہ کی نیت نیک تھی۔ انہوں نے اسے سہارا دینے کے لیے سراج سے اس کی شادی کی تھی۔ شادی کے دس ماہ بعد عائشہ نے منو کو جنم دیا تو یوں لگا کہ جیسے اس کا غم اور بھی شدید تر ہوگیا ہے۔ وہ یہیں رہ رہی تھی۔ اس گھر کے سوا ان کا کہیں اور ٹھکانہ بھی تو نہ تھا۔ منو کو سب بے حد چاہتے تھے۔ عائشہ کی اجڑی اجڑی دل گیر صورت دیکھ کر زبیدہ کا کلیجہ کٹتا۔ وہ اس وقت کو کوستیں جب انہوں نے عائشہ کو سراج کی دلہن بنانے کے بارے میں سوچا تھا۔ اس کی زندگی تو تباہ ہو کر رہ گئی تھی۔ سارا دن کولہو کے بیل کی طرح کام میں جتی رہتی۔ کام کام اور بس کام۔

وحشت ناک سوچوں کے ہجوم سے اس کا دماغ سلگنے لگتا تو وہ زور زور سے رونے لگتیں، ہاتھ پاؤں مڑ جاتے، آواز بدل جاتی۔ اس عالم میں وہ اپنے جگر گوشے منو سے بھی لاپروا ہو جاتی۔

یہیں سے عائشہ پر جن آنا شروع ہوا۔

❁ ❁ ❁

اکمل چچا کی بیٹی راشو کی شادی تھی۔ وہ تو دل سے چاہ رہے تھے کہ ایاز کی رہائی کے بعد یہ فرض ادا ہو، مگر سب کے سمجھانے بجھانے کے بعد وہ راشو کی شادی کے لیے تیار ہوگئے کیونکہ اس کے منگیتر اجمل کو ایک ماہ بعد سعودی عرب چلے جانا تھا، جہاں وہ نوکری کرتا تھا۔

پھر جرار نے بھی انہیں بتایا کہ اب اگر اجمل یونہی …تو پانچ سال بعد لوٹے گا، کیونکہ اس نے ایک نئی …کانٹریکٹ سائن کرلیا تھا جو پانچ سال سے …نہیں دیتی تھی۔ اتنے عرصے وہ بیٹی کو کیوں …جرار اس کے حق میں نہیں تھا۔

…تائی مسرت، ایوب بھائی، جرار، نورین بھابھی اور …چچا سب مل جل کر راشو کے جہیز کی چیزیں خرید …رہے تھے۔

حسنات چچا اس موقعہ پر جانے کیوں آبدیدہ اور …تھکے نظر آنے لگے تھے۔ عاکفہ اور رضوانہ پہ نظر پڑتی تو دل کا بوجھل پن کچھ اور بھی بڑھ جاتا۔ …پہلے غزالہ جو ان کی شریک حیات اور دکھ سکھ …ساتھی تھیں، طویل علالت کے بعد بستر پر پڑے …ہی زندگی سے ہار گئی تھیں۔ تب سے عاکفہ اور رضوانہ کے بارے میں وہ بہت حساس ہوگئے تھے۔

ایک ہوک سی ان کے دل میں اٹھتی، اگر غزالہ …ہوتیں تو یقیناً دونوں بیٹیوں کو کہیں نہ کہیں …لگا دیتیں۔ ان کے لیے اچھے رشتے ڈھونڈتی۔

…بیس سے اوپر اور رضوانہ اس سے تین برس …تھی۔ یہاں کے حساب سے وہ دونوں بہنیں آدھی …ہو چکی تھیں اور ابھی تک ان کی قسمت نہیں …تھی۔

…ان کی ہم عمر راشو بیاہی جا رہی تھی، راحل کا نکاح …چکا تھا۔

نورین بھابھی خاندان سے باہر کی تھیں۔ اکمل کے …جاننے والوں کی بیٹی تھیں۔ کھاتے پیتے بااثر لوگ …مسرت نے جھٹ رشتہ دے دیا یہ بھی نہ سوچا کہ …گھر میں دو دو لڑکیاں موجود ہیں۔

حسنات کا دکھ حد سے سوا ہوگیا۔ وہ اندر ہی اندر …رہے تھے۔ عاکفہ احمق اور سادہ مزاج کی تھی، رضوانہ حساس اور سمجھ دار تھی۔ ہر کام میں پیش …بھی نہ تھکنے والی۔

بھلا ان دو بہنوں میں کیا کمی تھی جو ابھی تک ان کے …رشتہ نہیں ملا تھا۔ دل میں انہیں بھائی سے شکوہ تھا مگر زبان سے خاموش تھے۔ راشو کی شادی کی وجہ سے گھر میں رونق اور ہنگامہ بپا تھا۔ لگتا تھا پورے گاؤں کی لڑکیاں بالیاں ان کے گھر امنڈ آئی ہیں۔

مرد، عورتوں سے الگ مردانے میں تھے۔ درمیان میں قناتیں لگا کر دونوں حصوں کو الگ کر دیا گیا۔ جگہ کی کوئی کمی تو تھی نہیں جو زیادہ لوگوں کی موجودگی سے مسئلہ ہوتا۔

راحل کے لیے زبیدہ بیگم نے روایتی گوٹہ کناری لگے دو سوٹ بنوائے تھے۔ سبز اور پیلے رنگ میں جو اسے ایک آنکھ نہیں بھائے مگر انہوں نے اتنی چاہت اور مان سے سی کر اس کے حوالے کیے کہ وہ دل میں شرمندہ سی ہوگئی۔

آخری تین دن سب کے ساتھ وہ بھی بازار جاتی رہی اور اپنی پسند کے کپڑے لیے جو اکمل چچا نے رضوانہ اور عاکفہ کے ساتھ اسے دلوائے۔ جرار نے سب سے نظر بچا کر بڑی خوبصورت اور نازک سی چوڑیاں لیں۔ اگر بھابھی نورین یا عاکفہ، رضوانہ دیکھ لیتیں تو اس کا خوب ریکارڈ لگتا۔ خاص طور پر عاکفہ کو تو کوئی بات راز میں رکھنی آتی ہی نہیں تھی۔ بیچ چوراہے پر اپنی سادگی کے باعث بھانڈا پھوڑ دیتی۔

اس نے اگر ایسا کیا تھا تو کوئی ناجائز کام نہیں تھا۔ منکوحہ ہونے کے ناطے وہ ایسی چھوٹی موٹی چیزیں چاہت کے اظہار کے لیے اسے تحفتاً دے سکتا تھا مگر یہاں کا مزاج اس کی سوچوں کے برعکس تھا۔ اور اپنے جذبوں کی توہین اسے گوارا نہیں تھی۔

سب کے سامنے وہ راحل سے بات چیت بھی نہ ہونے کے برابر کرتا۔

اجمل کے گھر والے روایتی دھوم دھڑکے سے مہندی لائے۔ قطرہ قطرہ بھیگتی رات میں راشو کو رسم کے لیے باہر سجی ہوئی کرسی کی طرف لایا گیا۔

ایوب بھائی ان یادگار لمحوں کو کیمرے میں مقید کررہے تھے۔ تائی مسرت نے راحل کو اوپری منزل سے کوئی چیز لانے کے لیے بھیجا۔ سبز گوٹہ لگے کرتے اور شلوار میں کام سے بھرا دوپٹہ اوڑھے وہ خود کو خاصا

ہونق محسوس کر رہی تھی۔ اکثر مہمان خواتین کی
نظریں اسی پہ تھیں۔
"چھپا یہ ہے اکمل کی ہونے والی بہو۔"
ایک بوڑھی عورت نے گال پہ انگلی رکھے رکھے
اسے پرسوچ تولتی نظروں سے دیکھا تو وہ جلدی جلدی
قدم اٹھاتی چلی گئی۔
عقبی دروازے کی سمت اسے کسی کی موجودگی کا
احساس ہوا تو وہ ٹھٹھک گئی۔
"بھلا اس وقت کون ہو سکتا ہے، سب باہر ہیں۔"
وہ خود سے بولی اور ذرا آگے ہوئی۔ دور مدھم مدھم سی
روشنی نظر آرہی تھی۔ عقبی دروازے کی سمت مکمل
اندھیرا تھا مگر پھر بھی اسے یوں لگا جیسے وہاں دو سائے
باہم ایک دوسرے میں پیوست کھڑے ہیں۔ عین اسی
وقت عقبی دروازے کھول کر دونوں سائے اندھیرے
میں غائب ہو گئے۔
وہ خود سے الجھتی زینہ طے کرنے لگی۔
اوپری منزل پر مکمل سناٹا تھا، البتہ باہر ہونے والے
دھوم دھڑکے کی مدھم آواز یہاں تک آرہی تھی۔
وہ تائی مسرت کی مطلوبہ چیز ڈھونڈنے لگی۔
کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اپنے پیچھے اسے
قدموں کی آہٹ سنائی دی تو وہ وہیں ساکت سی ہو گئی۔
دھیرے دھیرے پیچھے موڑنے پر اسے جرار کا چہرہ نظر آیا
تو اس کے سینے سے پرسکون سانس خارج ہوئی۔
"اوہ آپ تھے، میں تو ڈر گئی جانے کون ہے۔ ابھی
کچھ منٹ بیشتر پچھلے دروازے کے پاس میں نے کسی کو
دیکھا ہے۔" وہ بڑے مصروف سے انداز میں بولی۔
جرار پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہا تھا۔
راحل ہاتھوں میں اسٹین لیس اسٹیل کے ڈونگے
اٹھائے مڑی تو جرار کی طرف دیکھ کر جھینپ سی گئی۔
جرار کی نگاہوں سے جیسے آگ نکل رہی تھی۔ اس
نے پلٹ کر باہر جانے والا دروازہ بند کر دیا تو راحل کے
ہاتھوں سے برتن گرتے گرتے بچے۔
"سامنے سے ہٹیں، میں نیچے جاؤں گی، تائی اماں
میرا ہی انتظار کر رہی ہوں گی۔ سالن کے ڈونگے کم پڑ
گئے تھے، وہ لینے آئی تھی۔"
نروس ہونے کے باوجود وہ اطمینان سے عمل رہی
تھی۔
پتا نہیں جرار کیوں اسے پر تپش نظروں سے دیکھ
رہا تھا۔ وہ ایسی نگاہیں تھیں جن سے وہ موم کی
مانند پگھل رہی تھی۔ ان نگاہوں میں بڑا واضح
کھلی دعوت تھی کہ آؤ چند لمحوں کی چوری کر لیں
یہاں کون دیکھ رہا ہے۔
"جرار! پلیز... آگے سے ہٹ جائیں، مجھے جانے
دیں، دروازہ کھولیں۔" وہ اندر سے کمزور پڑتی جا رہی
تھی۔
"میں کتنے عرصے سے تو اس وقت کا انتظار کر رہا
کہ کاش کبھی اکیلی ملو تو تمہیں بتاؤں کہ برس ہا برس
پیاس سے میرا وجود اب تو ٹوٹنے پھوٹنے لگا ہے
سے اب اور انتظار نہیں کیا جاتا۔" وہ اپنے مضبوط
کھولے لحہ بہ لحہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔
فرار نہ پا کر راحل نے پوری قوت سے جرار کو دھکا
اور آن کی آن میں دروازہ کھول کر باہر زینے
آگئی۔ اس کا دل سرکش گھوڑے کی مانند سرپٹ دوڑ
رہا تھا۔ ماتھے پر پسینے کی ننھی منی بوندیں ابھر
تھیں۔
اس اچانک تصادم سے اس کے پورے وجود
گویا طوفان آیا ہوا تھا۔ جرار سلگتی نگاہوں سے
گھورتا تیز تیز زینہ اتر گیا۔ راحل جانتی تھی وہ
ہو کر گیا ہے۔ بے قابو دل کو سنبھالتی وہ لڑکیوں
درمیان چلی آئی تو خاصی دیر بعد اس کے حواس
ہوئے۔
رضوانہ، عاکفہ اور دیگر لڑکیوں کی تیاریوں کا
نے اب جائزہ لیا تو دل میں اسے اعتراف کرنا پڑا
رضوانہ آج بے پناہ خوبصورت لگ رہی ہے
دنوں میں وہ سادہ حلیے اور لباس میں ہی نظر آتی
زیبائش کے نام پر اس کی آنکھوں میں کبھی کاجل
نظر نہیں آیا تھا۔ آج پوری سج دھج سے تیار
محفل لگ رہی تھی۔

کر رہی تھی۔ اکثر مہمان خواتین کی
ہونق محسوس تھیں۔
نظریں اسی پہ
"اچھا یہ ہے اکمل کی ہونے والی بہو۔"
ایک بوڑھی عورت نے گال پہ انگلی رکھے رکھے
اسے پرسوچ تولتی نظروں سے دیکھا تو وہ جلدی جلدی
قدم اٹھاتی چلی گئی۔
عقبی دروازے کی سمت اسے کسی کی موجودگی کا
احساس ہوا تو وہ ٹھٹھک گئی۔
"بھلا اس وقت کون ہو سکتا ہے، سب باہر ہیں۔"
وہ خود سے بولی اور ذرا آگے ہوئی۔ دور مدھم مدھم سی
روشنی نظر آ رہی تھی۔ عقبی دروازے کی سمت مکمل
اندھیرا تھا مگر پھر بھی اسے یوں لگا جیسے وہاں دو سائے
باہم ایک دوسرے میں پیوست کھڑے ہیں۔ عین اسی
وقت عقبی دروازے کھول کر دونوں سائے اندھیرے
میں غائب ہو گئے۔
وہ خود سے الجھتی زینہ طے کرنے لگی۔
اوپری منزل پر مکمل سناٹا تھا، البتہ باہر ہونے والے
دھوم دھڑکے کی مدھم آواز یہاں تک آ رہی تھی۔
وہ تائی مسرت کی مطلوبہ چیز ڈھونڈنے لگی۔
کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اپنے پیچھے اسے
قدموں کی آہٹ سنائی دی تو وہ وہیں ساکت سی ہو گئی۔
دھیرے دھیرے پیچھے مڑنے پر اسے جرار کا چہرہ نظر آیا
تو اس کے سینے سے پرسکون سانس خارج ہوئی۔
"اوہ آپ تھے، میں تو ڈر گئی جانے کون ہے۔ ابھی
کچھ منٹ بیشتر پچھلے دروازے کے پاس میں نے کسی کو
دیکھا ہے۔" وہ بڑے مصروف سے انداز میں بولی۔
جرار پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہا تھا۔
راحل ہاتھوں میں اسٹین لیس اسٹیل کے ڈونگے
اٹھائے مڑی تو جرار کی طرف دیکھ کر جھینپ سی گئی۔
جرار کی نگاہوں سے جیسے آگ نکل رہی تھی۔ اس
نے پلٹ کر باہر جانے والا دروازہ بند کر دیا تو راحل کے
ہاتھوں سے برتن گرتے گرتے بچے۔
"سامنے سے ہٹیں، میں نیچے جاؤں گی، تائی اماں
میرا ہی انتظار کر رہی ہوں گی۔ سالن کے ڈونگے کم پڑ
گئے تھے، وہ لینے آئی تھی۔"
نروس ہونے کے باوجود وہ اطمینان سے
تھی۔
پتا نہیں جرار کیوں اسے پرتپش نظروں سے
رہا تھا۔ وہ ایسی نگاہیں تھیں جن سے وہ موم کی
مانند پگھل رہی تھی۔ ان نگاہوں میں بڑا واضح
کھلی دعوت تھی کہ آؤ چند لمحوں کی چوری کر لیں
یہاں کون دیکھ رہا ہے۔
"جرار! پلیز... آگے سے ہٹ جائیں، مجھے جلدی
دیں، دروازہ کھولیں۔" وہ اندر سے کمزور پڑتی جا رہی
تھی۔
"میں کتنے عرصے سے تو اس وقت کا انتظار کر رہا
کہ کاش کبھی اکیلی ملو تو تمہیں بتاؤں کہ برس ہا برس
پیاس سے میرا وجود اب تو ٹوٹنے پھوٹنے لگا ہے
سے اب اور انتظار نہیں کیا جاتا۔" وہ اپنے مضبوط
کھونے لمحہ بہ لمحہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کوئی
فرار نہ پا کر راحل نے پوری قوت سے جرار کو دھکا
اور آن کی آن میں دروازہ کھول کر باہر سیڑھیوں
آ گئی۔ اس کا دل سرکش گھوڑے کی مانند سرپٹ بھاگ
رہا تھا۔ ماتھے پر پسینے کی ننھی منی بوندیں ابھر آئی
تھیں۔
اس اچانک تصادم سے اس کے پورے وجود میں
گویا طوفان آیا ہوا تھا۔ جرار سلگتی نگاہوں سے اسے
گھورتا تیز تیز زینہ اتر گیا۔ راحل جانتی تھی وہ ناراض
ہو کر گیا ہے۔ بے قابو دل کو سنبھالتی وہ لڑکیوں کے
درمیان چلی آئی تو خاصی دیر بعد اس کے حواس
ہوئے۔
رضوانہ، عاکفہ اور دیگر لڑکیوں کی تیاریوں کا
نے اب جائزہ لیا تو دل میں اسے اعتراف کرنا پڑا
رضوانہ آج بے پناہ خوبصورت لگ رہی ہے۔
دنوں میں وہ سادہ حلیے اور لباس میں ہی نظر آئی
زیبائش کے نام پر اس کی آنکھوں میں کبھی کاجل
نظر نہیں آیا تھا۔ آج پوری سج دھج سے تیار
محفل لگ رہی تھی۔

راشو بھی کی چارپائی کے قبضے میں تھا' وہ جی جان سے گانے
ڈھول عاکفہ کے قبضے میں تھا' وہ جی جان سے گانے گا رہی تھی۔ تب ہی ایک پکی سی عمر کی عورت نے اس سے ڈھولک لی۔ سب دائرے کی صورت اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔

صغراں۔۔۔ جسے سب ماسی صغراں کہتے تھے۔ اس کے گلے میں بلا کا لوچ اور گداز تھا۔ راحل نے جب اس کی آواز سنی تو مبہوت ہو گئی۔ باقی سب کا بھی یہی عالم تھا۔

چن دیا ٹوٹیا اوہ دلاں دیا کھوٹیا
اوہ دلاں دیا کھوٹیا
جھوٹی موٹی ساڈے اتوں
جند بیا واردا ایں
سانوں کی تو چاہندا ایں
سانوں کی تو چاہندا ایں
چن دیا ٹوٹیا اوہ چن دیا ٹوٹیا

(اے چاند کی صورت والے تم دل کے کھوٹے ہو' ہم سے جھوٹ موٹ پیار جتاتے ہو' ہم سے تم کیا چاہتے ہو' چاند کی صورت والے اور دل کے کھوٹے۔)

ماسی صغراں ایک کے بعد ایک شوخ گانے گنگناتی رہی کہ وقت کا احساس ہی مٹ گیا۔ جس کو جہاں جگہ ملی' وہیں پڑ کر سو گیا۔ راحل کو سخت نیند آ رہی تھی' رات کے دو کب کے بج چکے تھے۔ عائشہ سوئی ہوئی عورتوں اور بچوں کے اوپر لحاف ڈال رہی تھی۔ اس کام میں دل نہ چاہتے ہوئے بھی راحل نے ان کی مدد کی۔ عائشہ کے لیے اس وقت اس کا دل ہمدردی سے معمور تھا۔ ان کی تھکن کا احساس بھی تھا' اس لیے وہ ان کے ساتھ مدد کروا رہی تھی۔ شادی کی چہل پہل کی وجہ سے راحل کو اپنا کمرا شیئر کرنا پڑا۔ اس کے ساتھ عاکفہ اور رضوانہ نے بھی اپنا بستر بچھا لیا۔ لائٹ جل رہی تھی۔ رضوانہ کانوں میں موجود بڑے بڑے جھمکے اتار ... ایک کالاک کسی طرح بھی کھلنے میں نہیں ... لیا تو ... عاکفہ کو پکار لیا۔ اس نے جھٹ پٹ

چہرے کی طرف اٹھی تھی۔ اس کے گال پہ عجیب سا نشان تھا جیسے کسی نے کاٹا ہو۔ عاکفہ نے ایسا ہی نشان اس کی گوری صراحی دار گردن پر بھی دیکھا تو وہ رہ نہ سکی۔

"یہ کیسا نشان ہے؟"

"کون سا؟"

"یہ تمہاری گردن اور گال پر۔" پل کے پل رضوانہ کا رنگ متغیر ہوا۔ "کسی کیڑے نے کاٹا ہو گا۔" وہ دھڑکتے دل کو سنبھال کر آہستگی سے بولی تو عاکفہ اس کے پیچھے ہی تو پڑ گئی۔

"یہ کسی کیڑے کے کاٹے کا نشان تو نہیں لگتا۔" وہ باقاعدہ وکیل کی طرح جرح کر رہی تھی۔ اب راحل بھی ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ واقعی رضوانہ کے گلابی گال پر وہ نشان بڑا نمایاں لگ رہا تھا۔

"بڑا عاشق مزاج کیڑا ہے' جس نے رضوانہ کے گال پر کاٹا۔" راحل کا لہجہ بڑا شرارتی تھا۔ رضوانہ کے اندر پکڑ دھکڑ سی شروع ہو گئی حالانکہ راحل نے یونہی بات برائے بات وہ فقرہ کہا۔

وہ کمرے سے ہی نکل گئی۔ خاصی دیر بعد جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ دونوں سو چکی ہیں' تب رضوانہ اندر آئی۔ عاکفہ اور راحل گہری نیند کے مزے لوٹ رہی تھیں۔ اس نے عاکفہ کے برابر دراز ہو کر بازو آنکھوں پہ رکھ لیا۔

ابھی تو اس نے خواب دیکھنا شروع کیے تھے' اس عالم میں اسے کیسے نیند آتی۔ سپنوں کی رہ گزر پہ کوئی اس کا ہاتھ تھامے اسے اوپر فضا کی لامحدود وسعتوں میں اڑائے لیے جا رہا تھا۔ اس کے قدموں سے زمین غائب ہو چکی تھی۔

جب کوئی آسمان پہ کہکشاں کی سیر کر رہا ہو تو اس کے لیے زمین کی اہمیت ہی کہاں رہ جاتی ہے۔

کوئی اس کے ساتھ تھا۔ یہ احساس ہی کتنا جانفزا تھا۔

❁ ❁ ❁

رضوانہ سب کے کپڑے استری کر رہی تھی۔ جرار اس سے اپنا سوٹ لینے آیا تو راحل پاس بیٹھی نورین بھابھی کے ہاتھ پر مہندی لگا رہی تھی۔ نگاہ بلا ارادہ اس کی طرف اٹھی۔

جرار کی آنکھیں شب بیداری کی چغلی کھا رہی تھیں۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ سا نظر آ رہا تھا۔ راحل' نورین بھابھی کے ہاتھ پہ مہندی لگاتے لگاتے رک سی گئی۔ جرار پاس سے گزر کر آگے ہو گیا تو اس کو کچھ ہوا۔ اس کا سبب بھی راحل کو معلوم تھا۔

جرار رات جو مطالبہ کر رہا تھا' وہ اسے پورا نہیں کر سکتی تھی' نہ اسے مناسب لگا۔

معاشرے کی کچھ اپنی روایات ہوتی ہیں اور وہ یہ روایات شاید فراموش کر بیٹھا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ راحل کو با آسانی آمادہ کر لے گا۔ پر وہ بڑے مضبوط خیال کی اور اپنی اقدار پر یقین رکھنے والی لڑکی تھی۔ رخصتی سے پہلے وہ کسی صورت بھی اپنا آپ جرار کے سپرد نہیں کر سکتی تھی۔ رات کا فیصلہ اسے درست اور بروقت لگا تھا۔

اسے جرار پر حیرت ہو رہی تھی' وہ جو اس کا اتنا خیال رکھتا تھا۔ کہتا تھا کہ تمہاری عزت کا مجھے خود سے بڑھ کر خیال ہے۔ اب اس کا منہ پھولا پھولا لگ رہا تھا۔ راحل کا خیال تھا' وہ فوراً اس سے اپنی جذباتی کیفیت کی معذرت کرے گا۔ پر وہ تو پاس سے اجنبی بن کر گزر گیا۔ وہ پوری توجہ سے ازسرنو مہندی لگانے لگی۔

رضوانہ کا چہرہ بہت کھلا کھلا سا اور شاداب نظر آ رہا تھا جیسے بہار رات بھر داستان رقم کرتی رہی ہو۔ وہ پہلے تو کبھی اتنی خوش نظر نہیں آئی تھی۔

رخصتی کے وقت حسب توقع راشو دھاڑیں مار مار کر روئی۔ روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی اور وہ نیم جان سی ہو کر جرار کے ہاتھوں میں جھول گئی۔

عائشہ دولہن بنی راشو کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔ جونہی کہار ڈولی اٹھانے کو آگے بڑھے' انہوں نے سب کو ایک زوردار دھکا دیا۔

"پیچھے ہٹ جاؤ سب' عائشہ کہیں نہیں جائے گی۔ یہیں رہے گی۔" وہ اپنی مخصوص مردانہ آواز میں بولیں تو سب کو سانپ سونگھ گیا۔

"باہر نکل عائشہ' باہر نکل۔ سراج تجھے چھوڑ جائے گا' بھاگ جائے گا' دیکھ لینا۔ وہ صبح تمہیں چھوڑ کر دور چلا جائے گا پھر تم بھی اپنے منو کے ساتھ اکیلی رہ جاؤ گی' بالکل اکیلی۔"

وہ راشو کو ڈولی سے باہر گھسیٹ رہی تھیں۔ اس وقت ان پہ جنون سا طاری تھا۔ تب جرار آگے بڑھا اور اس نے چچی کے دونوں کندھے پکڑ کر پیچھے ہٹانا چاہا مگر یوں لگ رہا تھا عائشہ میں سینکڑوں آدمیوں کی طاقت حلول کر گئی ہو۔

انہوں نے ایک ہی جھٹکے سے اپنا آپ آزاد کرا لیا اور دوبارہ راشو کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ایوب بھائی' باپ کے ساتھ چچی کو پکڑنے آگے ہوئے پر وہ ان کے قابو میں کہاں آتیں۔ ایوب بھائی نے گھما کر پوری طاقت سے عائشہ چچی کو پسلیوں میں مکا مارا اور جرار کو اشارہ کیا کہ راشو کو ڈولی میں بٹھا کر جلد از جلد رخصت کرے۔

عائشہ اس کی گرفت سے نکل کر دل دوز چیخیں مار رہی تھیں۔ ایوب بھائی اکمل اور جرار نے آخر وقت تک انہیں اپنی گرفت سے آزاد نہیں کیا۔ آہستہ آہستہ عائشہ کی مزاحمت دم توڑتی گئی۔ وہ بے دم ہو کر وہیں گر پڑیں۔ راحل کا دل تڑپ سا اٹھا۔ اسے ایوب بھائی کا عمل ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

زبیدہ بیگم الگ اداس سی تھیں۔ عائشہ کا سر ان کی گود میں تھا۔ منو اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے ماں کے چہرے پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

راحل خاموش سی ہو کر عائشہ چچی کو دیکھے جا رہی تھی۔

❁ ❁ ❁

وہ ایک سرد سی صبح تھی۔

دھند میں لپٹی جامد اور خاموش سی صبح۔ رات بھر کہر چھائی رہی تھی۔ باورچی خانے سے کسی کا بھی نکلنے کو

لبی تسبیح ہاتھ میں پکڑے کچھ پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔

"کیا یہ شخص سچ مچ اللہ کا برگزیدہ بندہ ہے مگر اس کی شکل۔" وہ اس کے بارے میں سوچتی رہی۔ راحل کا ذہن قبول کرنے میں متامل تھا کہ یہ کریہہ صورت شخص پہنچا ہوا ہے۔ مگر پھر فوراً" ہی وہ اپنی سوچ پہ شرمندگی سی محسوس کرنے لگی بھلا وہ کون ہوتی ہے شکل کے بارے میں معیار قائم کرنے والی پھر صورت ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی۔

اس کی بتائی باتوں کو راحل کا ذہن آہستہ آہستہ قبول کرنے لگا تھا۔ کچی پگڈنڈی شروع ہو گئی تھی۔ تب ہی سامنے سے پریشان سا جرار ادھر ہی آتا نظر آیا راحل کو دیکھا تو اس کے لہجے میں خشونت آ گئی۔

"کہاں چلی گئی تھیں تم؟ کتنی دیر سے تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں۔"

"آپ میرے بارے میں خوامخواہ پریشان ہوتے رہے۔ یعقوب ویل کے سامنے بنے کمرے کے پاس رک گئی تھی۔"

اس نے جھوٹ بولا۔ دل مسرور سا ہوا کہ جرار کو اس کی گم شدگی سے پریشانی ہوئی۔ جس کا اظہار اس کے چہرے سے بھی ہو رہا تھا۔

وہ دونوں راستے کے درمیان کھڑے تھے۔

"میں بالکل بھی پریشان نہیں تھا۔" جرار سخت اور سرد نظر آ رہا تھا۔ اس بے مہر موسم کی مانند۔

"جرار! کافی دن ہو چکے ہیں اب تو آپ غصہ تھوک دیں۔" وہ ملتجی لہجے میں بولی تو جرار اسے غور سے دیکھنے لگا۔

"خوب تم چاہتی ہو کہ میں غصہ تھوک دوں مگر اس کے لیے میرا مطالبہ برقرار ہے۔ ایاز چچا کو جانے کب رہائی ملے گی تم میرے دل کا خون تو مت کرو۔ میں تو تمہارے ساتھ محبت کی پہلی حد ہی ابھی تک عبور نہیں کر پایا ہوں جبکہ دل چاہتا ہے آخری حد سے بھی گزر جاؤں، ترسا ترسا کر مار رہی ہو مجھے۔ قربتوں میں اتنے فاصلے۔"

جرار کی جذبوں کی یورش سے سرخ آنکھیں اس کے مقابل آ گئیں۔ اس نے دفعتاً" راحل کو اپنے قریب کر لیا۔

"میں رات کو تمہارے پاس آؤں گا۔ دروازہ بند مت کرنا۔" راحل تڑپ کر اس کے حصار سے باہر نکلی۔ ابھی چند سیکنڈ بیشتر اسے ایک مانوس سی مہک کا احساس ہوا تھا۔ وہ آگے جانے والے راستے پر بھاگنے کے انداز میں چل رہی تھی۔ اسے اپنے گالوں پہ بہنے والے آنسوؤں کا بالکل بھی دھیان نہیں رہا تھا۔ آنکھیں اور دل دونوں جل رہے تھے۔ جرار وہیں کھڑا سینے پہ دونوں ہاتھ باندھے راحل کو لمحہ بہ لمحہ دور جاتا دیکھ رہا تھا۔ اس کی گھنی مونچھوں تلے ہونٹوں پہ فاتحانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

❁ ❁ ❁

اس جلتی سلگتی حالت میں وہ گھر پہنچی تو سب کے چہرے اترے اترے لگ رہے تھے۔ نورین بھابھی دھواں دھار رو رہی تھیں۔ کچھ ایسا ہی حال ایوب بھائی کا تھا۔ اکمل اور مسرت کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"جلدی کریں میری بچی کو ڈھونڈ لائیں ورنہ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔" نورین بھابھی کی حالت دیکھی ہی نہیں جا رہی تھی۔

عاکفہ نے اسے بتایا کہ ہم لوگ تمہاری طرف سے مایوس ہو کر دو گھنٹے پہلے گھر آئے تھے۔ آدھے گھنٹے پہلے بھابھی نے مسکان کو دودھ پلا کر لٹایا اور کسی کام سے اٹھ کر باہر آئیں دوبارہ اندر گئیں تو مسکان اپنے بستر پہ نہیں تھی۔ سارے گھر کا کونہ کونہ چھان مارا مگر مسکان کہیں نہیں ہے۔ اس کے ساتھ عائشہ چچی بھی غائب ہیں۔

"او میرے خدا!" راحل سر تھام کر وہیں بیٹھ گئی۔ اچانک بجلی کی تیزی سے ایک خیال اس کے ذہن میں آیا تو خدشات کے زہریلے ناگ رگ و پے میں ڈنک مارنے لگے۔

"ایوب بھائی! میرے ساتھ آئیں" وہ نیچی دیوار کے ساتھ ساتھ بھاگتی چلی گئی۔

کچھ سمجھ میں نہ آنے والے انداز میں سر جھٹک کر ایوب بھائی نے اس کی تقلید کی۔ پیچھے پیچھے باقی سب بھی آ رہے تھے۔

درختوں کے بیچ گھرے جھونپڑے میں بڑی خاموشی تھی۔ سانس روک کر راحل نے دروازہ کھولا۔ اندر مسکان بے ہوشی کی حالت میں سو رہی تھی اور عائشہ چوکنا انداز میں باہر کی طرف ہی کان لگائے ہوئے تھیں۔

"میری بچی کو مارنا چاہتی ہے منحوس ڈائن! اسے کیوں یہاں اٹھا کر لائی ہے۔ اپنا گھر اجڑ گیا ہے تو اس کا بدلہ میرے بچوں سے لینا چاہتی ہے۔" تائی مسرت غضب ناک ہو کر عائشہ پہ پل پڑیں اور چند منٹ میں ہی انہیں نوچ کھسوٹ ڈالا۔

تایا اکمل اور ایوب بھائی بھی عائشہ کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ جرار بھی آ گیا تھا۔

اس نے انکشاف کیا کہ عائشہ چچی ٹیلے کے پاس ایک آدمی کے پاس جاتی رہی ہیں جو کالا علم جاننے کا دعوا رکھتا ہے اور لوگوں کی مشکلات حل کرتا ہے۔ بس پھر کیا تھا ایوب بھائی نے تمام لحاظ اور ادب بالائے طاق رکھ دیا اور لپک کر چچی کی گردن پکڑ لی۔

"میں جان سے مار ڈالوں گا مجھے بتاؤ وہاں اپنے اس کے پاس کیا لینے جاتی تھیں۔"

عائشہ کی گردن پہ لمحہ بہ لمحہ ایوب کے وحشی ہاتھوں کی گرفت بڑھتی جا رہی تھی۔ سب یوں ساکت کھڑے تھے جیسے اس منظر کا حصہ نہ ہوں۔

راحل نے آگے بڑھ کر عائشہ چچی کو چھڑایا۔

"ایوب بھائی! اس بے بس عورت کا کوئی قصور نہیں ہے۔ آپ کی عقل پہ پردہ پڑ چکا ہے۔"

"ہوش میں تو ہو تم؟" تائی مسرت نے پہلی بار اسے اکھڑے اکھڑے تیوروں سے گھورا تو وہ ذرا بھی نہیں گھبرائی۔

"تائی جان! مجھے یہاں تقدیر نے شاید کسی خاص مقصد کے تحت بھیجا تھا ورنہ مجھے نہیں لگتا کہ میری کسی کو یہاں ضرورت تھی یا میں تو یونہی آپ کے بیچ آ گئی تھی۔" راحل کا لہجہ یاسیت زدہ تھا اور آنکھیں خلا میں کسی غیر مرئی چیز کو دیکھ رہی تھیں۔

"پتہ نہیں کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو تم، میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔ کیوں اماں! آپ سن رہی ہیں جو یہ کہہ رہی ہے؟" تائی مسرت نے اپنی ساس کی طرف روئے سخن موڑا۔

"کس چاؤ سے ہم نے اس کا رشتہ مانگا اور کتنے ارمانوں سے اپنے جرار کے ساتھ نکاح کیا مگر عابدہ تو ہمیں کمتر سمجھتی رہی جیسے وہ عرش کی مخلوق ہو اور ہم زمین کے غلیظ کیڑے ہوں۔ میں تو پھر بھی برداشت کر گئی پر جرار مرد ہے۔ اس نے بھی تمہیں اپنی جوتی کے برابر نہیں سمجھا۔ اور تم سے تمہاری طرح ہی پیش آیا۔" انہوں نے جرار کو فخریہ نگاہوں سے دیکھا۔

زبیدہ بیگم سے رہا نہیں گیا۔ "بہو! اب بس بھی کرو۔"

"ہاں ہاں آپ کی تو لاڈلی پوتی ہے حمایت نہیں کریں گی تو کیا کریں گی۔" وہ چمک کر بولیں تو زبیدہ بیگم بہو کو بے بس نگاہوں سے دیکھ کر رہ گئیں۔ رضوانہ اور جرار نے ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔ راحل مسلسل دانتوں سے ہونٹ کاٹ رہی تھی جو اس کے اندرونی اضطراب کی غمازی کر رہا تھا۔ وہ چاہنے کے باوجود کچھ نہ کہہ سکی۔ محبت کرنے والے بہت سی کڑوی باتوں کو میٹھے گھونٹ کی طرح پی جاتے ہیں۔

اس نے بھی ان کے کہے کا کڑوا گھونٹ پی لیا۔

❁ ❁ ❁

عائشہ کو ہسٹریا کے دورے پڑتے تھے جسے سب جن آنے سے موسوم کرنے لگے۔ فطری خواہشات پہ بند باندھتے باندھتے ان کے اعصاب شل ہونے لگے جس کا نتیجہ ہسٹریا کی صورت میں سامنے آیا۔

اس دورے کے دوران سب خوفزدہ ہو جاتے اور ان کی ہر خواہش کو پورا کرتے۔ اس دوران وہ کھانے کو جو چیز مانگیں حاضر کر دی جاتی بہرحال سب ان کی

خوشنودی میں جُت جاتے اور مستقبل کے بارے میں جاننے کے لیے ان سے سوال بھی کرتے وہ اپنی عقل کے مطابق جواب دیتی جاتیں۔

عائشہ کے جلتے سلگتے دل کو سکون سا مل جاتا۔ تب ان کی ایک پڑوسن فاطمہ نے عائشہ کی ساس سے ایک پہنچے ہوئے پیر کا ذکر کیا جو ایسے۔ جن نکالنے کا ماہر تھا۔ پیر صاحب جن تو نہ نکال سکے البتہ انہیں بے بس کر کے فائدہ ضرور اٹھالیا۔ جس کا عائشہ نے بالکل بھی برا نہیں مانا۔ پھر بالکل اتفاقاً" انہیں ٹیلے والے مجذوب کا پتہ چلا جو ہر کام چند یوم میں کرنے کا دعوا رکھتا تھا۔ عائشہ چوری چھپے اس کے پاس گئیں اور ذرا سی ہمدردی پاتے ہی اپنی دردانگیز داستان بیان کردی۔

یہ کریہہ صورت شخص جو خود کو مجذوب اور اللہ والا کہتا تھا پہلے کسی اور جگہ کرشمے دکھا کر سادہ لوح لوگوں کو بیوقوف بنا تا رہا تھا پھر وہاں اسے کسی وجہ سے بھاگنا پڑا تو اس نے یہاں آکر گاؤں کے دوسرے سرے پہ ڈیرا جمالیا۔ اس کے مرشد نے کچھ جاپ اور چلے بتائے تھے پھر اسے چند مخصوص چیزوں کی بھی ضرورت تھی۔ عائشہ جیسی شوہر گزیدہ عورت خود چل کر اس کے پاس آئی تھی جسے امید بندھ گئی تھی کہ وہ خاص اشیاء ضرور ملیں گی۔

عائشہ اس کیفیت میں تھیں کہ وہ جو بھی کہتا۔ عائشہ بے چون وچرا مانتیں کیونکہ اس نے عائشہ سے کہا تھا کہ "اگر تم چاہتی ہو کہ تمہارا شوہر تمہارے پاس واپس آجائے ' اس کے لیے میں تمہیں کچھ نادر ونایاب عمل بتاؤں گا پھر تمہیں یہ عمل کرنا پڑے گا۔"

عائشہ نے اس کے بتائے ہوئے چند الٹے سیدھے عمل اور جاپ اس جھونپڑے میں کیے تو وہ جگہ آسیبی مشہور ہوگئی۔

مجذوب اور اللہ والا اسے یقین دلا رہا تھا کہ تمہارا شوہر اب بہت جلد تم تک پہنچ جائے گا۔

☼ ☼ ☼

رضوانہ شروع سے ہی جرار کو چاہتی تھی۔ پہلے تائی مسرت بھی اسی کی طرف مائل تھیں پھر جوان ہونے پہ راحل نے رنگ روپ نکالا تو اس کی دولت وجائیداد اور ایاز کی آن بان پہ ان کی رال ٹپک پڑی۔ ساس اور شوہر کو انہوں نے آرام سے ہم نوا بنالیا۔

انہیں توقع تو نہیں تھی کہ ایاز انہیں اپنی بیٹی دے دیں گے مگر اماں اور ابا کو وہ انکار نہ کر سکے۔ یوں راحل سے جرار کا نکاح ہوگیا۔

رضوانہ اپنے خوابوں کے شیش محل ٹوٹنے پہ بہت روئی مگر رونے سے تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کی ایک سہیلی نے اسے ٹیلے والے مجذوب کا پتہ بتایا۔ رضوانہ کی صورت' حسن وجوانی کسی بھی زاہد خشک کا ایمان ڈگمگانے کے لیے کافی تھی۔ وہ کریہہ صورت شیطان رضوانہ کو پہلی بار دیکھ کر دم بخود سا ہو گیا اور اس کی رال ٹپک ہی تو پڑی۔ رضوانہ اپنے محبوب کی چاہت اور توجہ کی طلب گار تھی اور ہر صورت اسے حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اب تو اپنے ٹھکرائے جانے کی ذلت کا بھی وہ حساب لینا چاہتی تھی۔ عائشہ کی طرح وہ بھی اس کے دھوکے میں آگئی۔ مجذوب نے اسے بھی کچھ عمل بتائے۔ اس نے دو عمل مکمل کرلیے تو پھر مجذوب نے ایک اہم اور مشکل عمل کرنے کو کہا جس کے لیے رضوانہ اور مجذوب کا اکٹھے ہونا شرط تھا۔ رضوانہ نے کہا کہ وہ خود اس کے پاس پہنچ جائے گی مگر مجذوب نے کہا یہ عمل رات کے ایک مخصوص حصے میں کرنا ہے۔ رضوانہ اکیلے اتنی دور جانے کا سوچ کر ہی خوفزدہ ہوگئی۔ جس کا حل یہ نکالا گیا کہ رات کو مجذوب رکھوالی والے کمرے کے پاس آکر تین بار ماچس کی تیلی جلائے گا جس سے وہ ہوشیار ہو کر نیچے آجائے گی تب وہ اس کو وہ جلالی وظیفہ بتائے گا۔ وہ مان گئی۔ مگر قدرت کو یہ منظور نہیں تھا۔

جرار اس رات کافی دیر سے آیا۔ آسمان پہ بادل جمع تھے وہ یونہی موسم کا مزا لینے کے لیے ٹہلنے لگا کیونکہ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ تب اس نے جھونپڑی کی سائیڈ پہ تین بار روشنی دیکھی تو ٹارچ لے کر تیز تیز چلتا اسی طرف آیا۔

اس کے قدموں کی چاپ پاتے ہی مجذوب دیوانہ وار بھاگ نکلا۔ گھنی جھاڑیوں اور درختوں کے درمیان وہ آسانی سے پوشیدہ رہ سکتا تھا۔ اس نے جھونپڑی کے دروازے کے سامنے ہو کر یونہی پورے گھر میں نگاہ دوڑائی تو نظر اوپری منزل کی طرف چلی گئی۔ راحل' رضوانہ اور عاکفہ کے کمرے ساتھ ساتھ تھے۔ ایک میں منو ماں کے ساتھ سوتا تھا۔ اسی وقت بجلی چلی گئی۔ چند سیکنڈز کے بعد راحل نے دروازہ کھول دیا اور کھڑکی میں کھڑی ہوگئی۔ جرار نے ماچس کی تیلی جلانے کی حرکت بالکل سوچ سمجھ کر نہیں کی تھی۔ چند منٹ بعد اس نے کسی کو اس طرف آتے دیکھا اور قصداً" دروازے سے اندر ہو گیا۔ اس کے دل ودماغ میں آگ سی بھرتی جارہی تھی اور سارا شک رضوانہ اور عاکفہ کی طرف منتقل ہوتا جارہا تھا۔ اس نے آنے والی کو فوراً" اندر کھینچ لیا۔ یہ راحل تھی۔ جرار کو پتہ تھا اب وہ شور مچائے گی لہٰذا اسے وہاں سے بھاگنے کا ڈرامہ کرنا پڑا۔ وہ یہ جاننے کے لیے بے تاب تھا کہ ماچس سے اپنی موجودگی کی اطلاع دینے والا کون تھا اور کس کو بلا رہا تھا۔

راحل کی ذات تو مکمل طور پہ شک وشبہ سے پاک تھی۔ مارے خوف کے وہ بے ہوش ہوگئی تھی۔

جرار کی سختی سے کی گئی پوچھ گچھ نے رضوانہ کو بہت کچھ بتانے پہ آمادہ کردیا مگر کسی نہ کسی طرح اس نے جرار کا سارا شک عائشہ چچی کی طرف منتقل کردیا۔ جرار رضوانہ کی دیوانگی سے آگاہ ہو گیا تھا۔ دوسری طرف راحل کا بیگانگی بھرا رویہ اس کی مردانگی اور انا پر چوٹ تھا۔ رضوانہ کی دیوانگی نے اسے یہ راہ دکھائی کہ وہ راحل کو رقابت کے احساس میں مبتلا کردے۔ اور راحل سے بالکل عابدہ چچی کے انداز میں بدلہ لے۔

راحل اب اس کے ساتھ ہنسنے بولنے لگی تھی۔ جرار کے ارادے کمزور پڑنے لگتے تو اس کی انا اور مردانہ غرور سوالی بن کر آجاتا۔

ادھر رضوانہ یہ سمجھ رہی تھی کہ مجذوب کی کرامت کی وجہ سے جرار اس پہ مہربان ہوا ہے۔ یہ کھیل خطرناک حدود میں داخل ہوتا جارہا تھا۔ رضوانہ ' زاشو کی مہندی کے روز مکمل خود سپردگی کی کیفیت میں تھی۔ جرار کو اس اندھیرے کمرے میں رضوانہ نے ہی بلایا تھا۔ راحل کو تائی نے اوپری منزل سے برتن لانے کو بھیجا تو وہ ایک دوسرے کی دھڑکنوں میں سمائے کھڑے تھے۔ راحل کو دیکھ کر رضوانہ تو چھپ گئی مگر جرار اس کے پیچھے پیچھے اوپر چلا گیا۔ پیاس ادھوری تھی۔

راحل اس کی آنکھوں میں چھپی طلب کیسے نہ جانتی۔ ایک ثانیے کے قرب نے جسم وجاں میں حشر بپا کردیا تھا۔ جرار کی انا اس پہ ہنسنے لگی طعنے دینے لگی۔ حیف ہے تمہاری جوانی پہ۔ کیا فائدہ ایسی مردانگی کا جو ایک لڑکی کو زیر نہ کرسکے۔ ایک بار صرف ایک بار وہ راحل کا جھکا ہوا شکست خوردہ سر دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد کچھ بھی تو نہیں۔ راحل اب صرف ایک لڑکی تھی۔ منکوحہ والا مقام وہ بھول گیا تھا۔ ایک بار وہ اسے زیر کرلیتا تو وہ اپنی ساری اکڑ بھول جاتی۔ پھر سب کے سامنے وہ اسے رخصت کرالانے سے انکار کرتا تو تب راحل روتی' اس کے پاؤں پڑتی' منتیں کرتی کہ مجھے اپنالو۔ پھر وہ اسے بتاتا کہ ایسی ہی توہین وہ بھی برداشت کرتا آرہا ہے۔ کم مائیگی کا احساس' شکست کا احساس جس سے ساڑھے چار سال پہلے وہ آشنا ہوا اور پل پل انتقام کی آگ میں جلتا رہا۔ وہ راحل کو اسی آگ میں جھونکنا چاہتا تھا۔

رضوانہ کامیابی کے احساس سے سرشار ایک روز پہلے راحل کے سامنے سب کچھ کہہ گئی تھی' وہ بھی جو اسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ یہ سب اس اللہ والے کی نظر کرم کا کرشمہ تھا رضوانہ کے خیال میں۔ اور وہ اللہ والا جس مقصد کے تحت یہاں آیا تھا وہ اب اسے حاصل ہوتا نظر آرہا تھا۔ رضوانہ کے ذریعے وہ گھر کے افراد کی تعداد' ان کے گھر کے ماحول کے بارے میں سب کچھ جان چکا تھا اس نے رضوانہ اور عائشہ دونوں سے الگ الگ کہا کہ اب تمہاری کامیابی اور مراد چند قدم کے فاصلے پہ ہیں۔ میں فیصلہ کن عمل کرنا چاہتا

ہوں اس کے لیے مجھے چند ماہ کی ایک بچی کی ضرورت ہے۔ تم کسی طرح بچی میرے پاس لے آؤ صرف پون ایک گھنٹے کے لیے۔ بعد میں عمل پورا کرنے کے بعد آکر لے جانا۔"

ایک مشکل امتحان کا مرحلہ تھا۔ لیکن رضوانہ جو اپنی طلب کے پیچھے پاگل ہو رہی تھی۔ اس کے لیے تیار ہو گئی۔ جیسے ہی نورین بھابھی نے بچی کو دودھ پلا کر لٹایا۔ رضوانہ جو موقع کی تاک میں تھی اس نے سوئے ہوئے معصوم فرشتے کو اٹھایا اور سب سے نظر بچا کر روانہ ہو گئی۔

عائشہ سب کچھ کر سکتی تھیں مگر بچی والا عمل انہیں ہضم نہیں ہو رہا تھا کیونکہ کچھ روز پہلے انہوں نے اڑتی اڑتی خبر سنی تھی کہ یہ شخص جو خود کو اللہ والا کہتا ہے کسی اور جگہ سے اپنی جان بچا کر آیا ہے اور یہاں چھپ کر بیٹھا ہے کوئی کوئی لمحہ ایسا بھی ہوتا ہے جب انسان کو آگہی ہو جاتی ہے۔ وہ ایسا ہی لمحہ تھا جب احساس ہوا کہ یہ سب درست نہیں ہے۔ رضوانہ کے پیچھے پیچھے وہ بھی چلی گئیں اور کسی نہ کسی طرح بچی کو لے کر آ گئیں۔ وہ کسی کی نظروں میں آئے بغیر بچی کو گھر کے اندر لے جانا چاہتی تھیں اس لیے رکھوالی والے کمرے میں آکر بیٹھ گئیں۔ رضوانہ کا راز چھپا رکھنے میں ہی ان کے راز کی بھی سلامتی تھی۔ مگر وہ صرف اکیلی ہی معتوب ٹھہری تھیں۔

"قصور کس کا تھا؟" جرار کچھ کچھ سمجھ رہا تھا۔ لیکن مصلحتاً اس نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔

ایوب بھائی اور سارے مرد جب تک ٹیلے کے پاس پہنچتے۔ اللہ والا سارا مال و اسباب سمیٹ کر کہیں اور بھاگ چکا تھا۔ کیونکہ رضوانہ اور عائشہ کی ساری کش مکش اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تھی۔ اسے اپنی شامت یقینی نظر آ رہی تھی۔ جان بچانا بھی تو ضروری تھا۔

❁ ❁ ❁

ایاز رہائی پا کر اب ان کے درمیان تھے۔

راحل کا دل پرسکون تھا کیونکہ ڈیڈی بہت بدلے بدلے لگ رہے تھے انہوں نے وقت اور حالات سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ راحل نے عائشہ کی مسلسل محرومیوں کا ازالہ کرنے کے لیے نہایت جرأت مندانہ قدم اٹھایا تھا۔

"دادی اماں! سراج چچا کے آنے کی امید دل سے نکال دیں اگر انہیں آنا ہوتا تو چچی کو چھوڑ کر جاتے ہی نا، برسوں سے ان کا کچھ بھی پتہ نہیں ہے اب اس خوش فہمی کے حصار سے نکل آنا ہی بہتر ہے۔ کسی عالم دین یا مولوی سے فتویٰ لینے کے بعد آپ عائشہ چچی کا نکاح کسی اور سے کروا دیں۔ بلکہ ایک نام میں اب بھی آپ کے سامنے پیش کر سکتی ہوں اور وہ ہے فضل دین۔ جی ہاں اس نے ہی چچی کی عزت کا قدم قدم پہ خیال رکھا ہے، جب وہ اس نام نہاد پیر کے پاس جاتی تھیں تو یہ چھپ چھپ کر ان کا تعاقب کرتا تھا تاکہ کوئی ایسی ویسی بات نہ ہو جائے۔ میں اس کے ذریعے ہی بہت سی باتوں سے آگاہ ہوئی۔"

وہ سانس لینے کے لیے رکی اور پھر پیٹھ موڑ کر کھڑکی کے پاس کھڑی ہو گئی۔

"اور دادی اماں! میں جرار کے ساتھ رخصتی کے لیے راضی نہیں ہوں۔" اس نے کتنے آنسو اپنے اندر اتارے تب یہ جملہ کہنے کی ہمت ہوئی۔

"کیا کہہ رہی ہو راحل! ہوش میں تو ہو؟"

"دادی اماں! میں بالکل ہوش میں ہوں کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ...... عائشہ چچی کے بعد رضوانہ پر بھی جن آئے۔" یہ کہہ کر وہ وہاں رکی نہیں۔

جرار کی آنکھیں شدت جذب سے خون چھلکا رہی تھیں۔ راحل کیا کہہ گئی تھی۔ بھلا وہ رضوانہ کے ساتھ۔ نہیں نہیں کبھی نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ تو راحل کو ہی چاہتا ہے۔ بس اسے نیچا دکھانا چاہتا تھا۔

راحل باہر سب سے مل رہی تھی۔ ایاز کو اماں دور لے گئیں۔ راحل، عائشہ کے سامنے کھڑی تھی۔

"میری طرف سے پیشگی مبارکباد قبول کریں شاید اس پُرمسرت موقعے پہ میں نہ آسکوں۔" عائشہ کے گلے لگ گئی۔ عائشہ نے اسے تشکر بھری نظروں سے دیکھا تھا وہ مڑی تو جرار سامنے تھا۔

"میں تو تم سے مکمل طور پہ ہار مان چکی تھی پھر بھی تم نے مجھے شکست دینا چاہی صرف اپنی انا کو بلند رکھنے کی خاطر۔" اس نے دل میں سوچا کہ زبان سے کہنے کا یارا نہیں رہا تھا۔

"راحل ایک بار صرف ایک بار سب کچھ بھول جاؤ۔" جرار کا چہرا دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

تب راحل کو سارا حوصلہ جمع کرنا پڑا۔

"جرار! آپ بھی جانے کیا سمجھتے رہے ہیں۔ بے شک ہمارا نکاح ہوا تھا مگر میں آپ کو محبت کی نظر سے دیکھ سکی۔ رضوانہ آپ کو ٹوٹ کر چاہتی ہے۔"

"اور میں جو ٹوٹ رہا ہوں۔" وہ ان سنی کر گئی۔

"راحل! تم جھوٹ بول رہی ہو۔ ایک بار میری طرف دیکھو۔" جرار کو کسی کا بھی خیال نہیں رہا۔

وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ جرار کی آنکھوں میں نمی چمک رہی تھی۔

"میں تمہارے بغیر کبھی بھی خوش نہیں رہوں گا۔"

وہ جواب دیے بغیر گاڑی میں آ بیٹھی۔ دوسری طرف ایاز ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکے تھے۔ انہوں نے راحل کے ساتھ ایک دوسرے شہر میں زندگی کا آغاز کرنے کے لیے چھوٹا سا گھر پہلے ہی لے لیا تھا۔ دو روز پہلے ہی انہوں نے عابدہ کو طلاق دینے کے لیے پیپرز بھی سائن کیے تھے۔

زندگی کی راہیں ان کے لیے آسان تو پہلے بھی نہیں تھیں اب سب کچھ لٹانے کے بعد راحل اور اس کی محبت ہی ان کے پاس بچی تھی۔ یہ زادِ راہ کافی تھا۔

گاڑی لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی جا رہی تھی سب کے چہرے دھندلے سے ہوتے ہوئے بالآخر معدوم ہو گئے۔ تب راحل نے سیٹ کی بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

اس کے دل میں ویرانیوں کا صحرا پھیلتا جا رہا تھا۔

"جرار! میں بھی تمہارے بغیر خوش نہیں رہ سکوں گی۔ تم نے اپنی انا کو بلند رکھنے کے لیے میری محبت کو دھوکہ دینا چاہا۔ جرار! میں یہ کیسے برداشت کرتی۔ کاش محبت کا سر بلند رکھنے کے لیے تم اپنی انا کو قتل کر ڈالتے۔ تو تو آج مجھے دل کو سمجھانا نہ پڑتا۔"

اس کی آنکھوں میں بھی جیسے ریت بھر گئی تھی۔ ہاتھوں کی پشت سے آنکھوں میں آئے آنسو پونچھے تو ڈرائیونگ کرتے ایاز اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"راحل! تم رو رہی ہو؟"

"نہیں ڈیڈی! وہ آنکھ میں کچھ پڑ گیا ہے شاید۔"

وہ زور زور سے آنکھیں مسلنے لگی۔ اب اکثر اسے خود کو یہ کہہ کر بہلانا تھا۔

"آنکھ میں کچھ پڑ گیا ہے شاید"

آنکھ میں کچھ پڑ جائے۔ یا دل میں کچھ گڑ جائے کبھی کبھی کوشش کے باوجود نہیں نکلتا۔

❁